۷۸۶
۹۲

إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

اللطیف

دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

اللطیف

خاص نمبر

بہ سرپرستی

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مد ظلہ العالی

سجادہ نشین

مکان حضرت قطب ویلور

مدیران:-

حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری (بی اے)

ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

نمائندگانِ طلباء:-

مولوی سید مصطفٰے حسین بخاری کڈپوی متعلم و جنرل سکریٹری

انجمن دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ

سید انوار اللہ تور گل بنگام - متعلم دار العلوم لطیفیہ

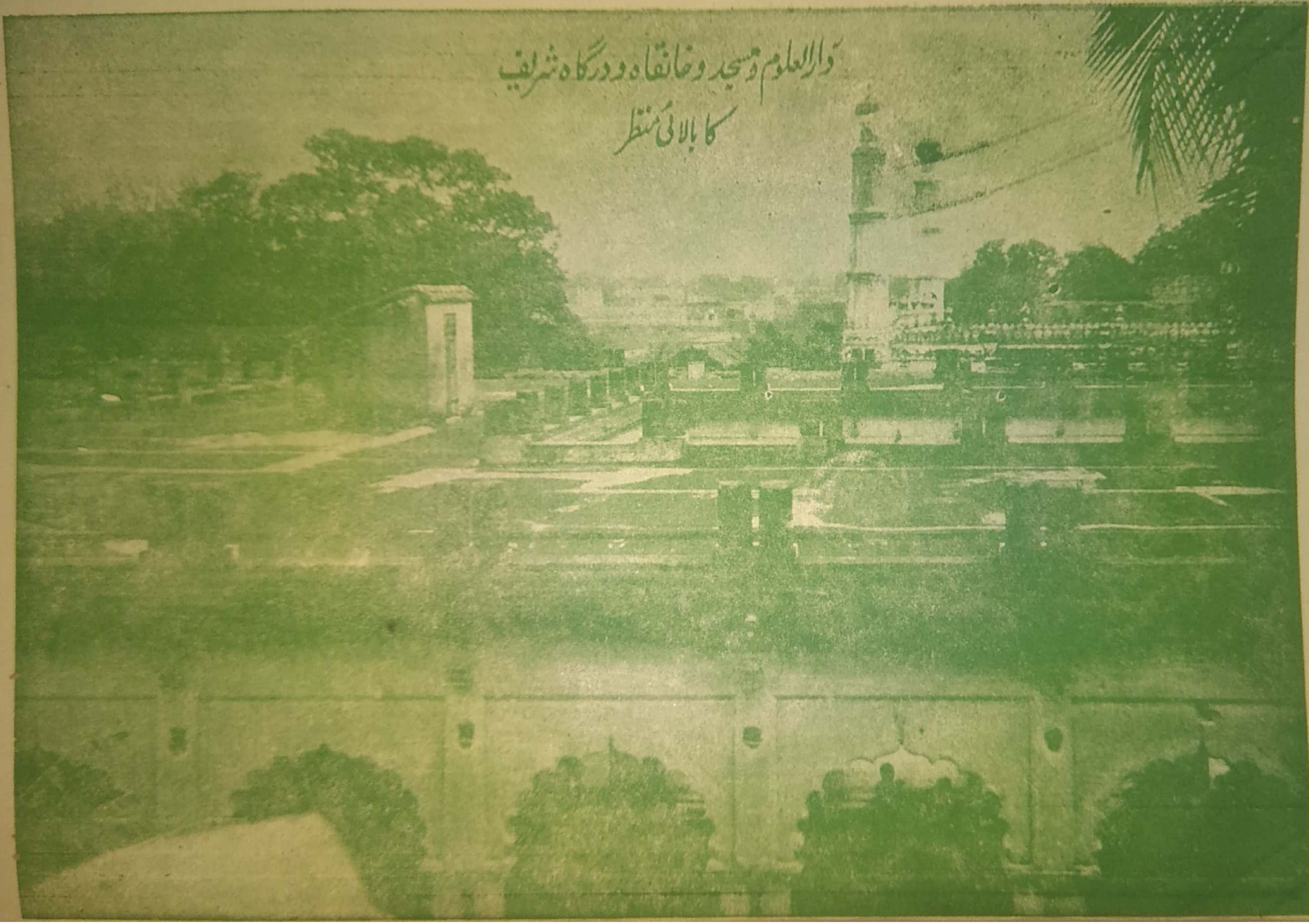
ڈی - یف - فیاض محی الدین مونگل . متعلم دار العلوم لطیفیہ



مطبوعہ ملک زاک قومی پریس بنگلور

فہرست مضامین

تمت



دار العلوم و مسجد و خانقاہ و درگاہ شریف
کا بالائی منظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عطا کردہ مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری

مناجات

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین

شیخنا شیخ المشائخ سید السادات مولانا مولوی رکن الدین

سید شاہ ابو الحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

یا رسول اللہ یا ہادی الوریٰ
ذرہ ذرہ ہو کو توں ظاہر ہوا
حق کیا خورشید وحدت کا تجھے
دل کو دے تیرے پریم کی چاشنی
ہیں بی پیاسا ہوں مجھے پانی پلا
حق کوں حق سے دیکھتے حق ہوں اچھیں
بندہ قربی آستاں کا خاک ہے
کر کرم سوں پاک اس ناپاک کوں

تو چ ہے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
اپنے پیدائی کو توں ساتھ ہوا
اس سورج کا ایک ذرہ کر مجھے
پاؤں تیرے ذات سوں نت روشنی
چشمۂ وحدت سوں اے بحر عطا
حق کو مطلق ایک مطلق ہو اچھیں
ہے تیرا کیا پاک کیا ناپاک ہے
عرش سوں برتر توں کر اس خاک کوں

یا رسول اللہ احوال تمام
تجھ پہ ظاہر ہے کہوں کیا والسلام

نظرِ اوّلیں

(اداریہ)

موجودہ دَور کو آپ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ دَور کہہ لیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی اس بے بضاعتی اور بے سرو سامانی کے دَور میں ہنوز سسک رہی ہے۔ کہنے کو یوں تو دن بدن مادّی ترقیاں ہو رہی ہیں اور محیر العقول سائنٹفک ایجادات نے اس وسیع و عریض آبادکرّہ میں انسان کے لئے بُعد کو قرب سے بدل ڈالا اور اس طرح دنیا سمٹ کر مختصر ہوگئی، حتیٰ کہ انسان کے اس سائنسی فکر کے لئے جب بساطِ ارض تنگ نظر آئی تو اب چاند و مریخ کو فکر کی آماجگاہ بنا رہا ہے، اور معاشرہ نت نئی تہذیب و تمدن کو اپنا کر اپنی دلجوئی کا سامان تلاش کر رہا ہے۔ اس کے باوجود سکون کی نعمتِ عظمیٰ سے مسلسل دُوری بڑھ رہی ہے۔ شاہراہِ زندگی خارزار ہو رہی ہے۔ ہر ہر قدم لغزشِ پیہم میں اُلجھ رہا ہے۔ کوئی فیشن، کوئی تہذیب کوئی طرزِ زندگی، کوئی قانونِ حکمت ایسا نہیں دکھائی دیتا، جو تسکین کا باعث ہو۔ ایک تلاش ہے جو مسلسل جاری ہے، ایک ایسی کھوج جس کا لامتناہی سلسلہ پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ہر شخص کی ایک ہی آرزو ہے، سکون! سکون!! سکون!!! مگر ایک اضطرابی کیفیت کے علاوہ اپنی ساری تلاش اور اپنی ساری تمناؤں کا کوئی حاصل نہیں۔

اسی تلاش میں اب تک عقلِ انسانی نے جتنے بھی قوانین بنائے ہیں اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو واضح ہو جائے گا کہ وہ سارے انسانوں کے شعبۂ زندگی پر حاوی ہونے کی بجائے ایک مخصوص قوم یا مخصوص طبقۂ زندگی میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ دنیا دو بلاکوں میں بٹ گئی ہے کسی نے اشتراکیت کے اُصولوں کو اپنے مقاصد کا حل سمجھا ہے تو کوئی سرمایہ داری کی حمایت میں مقصدِ زندگی کے حصول کی سرگرم کوشش شروع کر رکھا ہے اور تعمیر کی تمنا میں دنیا نے تمام سامانِ تخریب کے فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے۔ اقلیم انسانیت پر آج بھی یلغار جاری ہے، اپنی ہوس پر تقدیس کی قبا و دلق ڈال کر انسانیت کا سودا چکا رہے ہیں۔ ان کے شعلۂ غضب میں آج بھی کشتِ انسانیت جل رہی ہے اور دنیا کے مختلف حصے ولیم قیصر اور ہٹلر کی آتشِ حرص و آز کے نشانے بن رہے ہیں۔ اور امن کے پجاری امن کے خود ساختہ گہوارے سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہوس جیسے خوفناک اور خونخوار دیوتا جس کی نگاہ میں موت، جس کے تبسم میں مہیب بجلیاں اور جس کی خرام میں لاکھوں محشر نہاں ہیں ہر ایک اس کا قیدی اور اس میں مبتلا ہے۔ آج انسان انسان سے اتنا ہی دور ہو چکا ہے، جتنا کہ آفتاب زمین سے پوری اقلیم انسانیت سے نورِ محبت کی کرن مفقود ہو چکی ہے اور شبستانِ آدم میں حجاب در حجاب ظلمتیں، تہ بہ تہ تیرگیاں چھا گئی ہیں۔ جابریت و بربریت کی مہیب

تاریکی اس خوبصورت پیکر میں ہر سو جلوہ گر ہے۔ آخر اس کے ختم کرنے کی کیا صورت ہے۔ کھوکھلے اصول اور فریب خوردہ ضوابط کو اپنانے والے سماج نے کبھی یہ تصور نہیں کیا، کہ تنازع للبقا ہی اپنی زندگی کا واحد حل نہیں ہے۔ امن و سکون کی زندگی کا راز اگر اسی میں مضمر ہوتا تو پھر کیا بات ہے کہ مدت سے معاشرہ اطمینان کی زندگی کو ترس رہا ہے اور صرف ترس رہا ہے اور دنیا اس کے حل سے عاجز ہے۔ ان سب سے ماوراء تاریخ کا تجزیہ کیجئے تو کبھی اس جذبۂ تنازع للبقاء پر بے شمار اقوام کی زندگیوں کا دارومدار تھا۔ صحیح زندگی کے تجربے میں صدیاں بیت گئیں عقل انسانی کے ڈھالے ہوئے اصولوں نے اپنی ہار مان لی۔ ایک قانون قدرت نافذ ہوا۔ آن کی آن میں زندگی کے اقدار (Values) بدل گئے۔ ساری دنیا نے دیکھا کہ عرب کی سرزمین سے ایک مبنی خدائی اصولوں سمیت بڑی شان و شوکت کے ساتھ جو عقل انسانی کو متحیر کر رہی تھی آگے بڑھی اور دنیا نے دیکھا کہ ان کی ذہنیتیں بدل گئیں، دل بدل گئے۔ جاہلیت ختم ہوگئی۔ دلوں پہ حکومت ہونے لگی۔

یہ نظام حیات جو عرب کی پژمردہ سرزمین سے ابھرا تھا۔ متعینہ مدت کیلئے بھی نہیں تھا بلکہ آج بھی ہے اور جب تک یہ دنیا قائم رہیگی رہیگا۔ اس نظام حیات میں زندگی کا ہر گوشہ ایسا کوئی نہیں ہے جو پیش نہ کیا گیا ہو۔ اس قانون کا ایک ایک حرف آج بھی موجود ہے بالکل اسی طرح جیسے تیرہ سو سال پہلے تھا۔ زمانہ کی تیز و تند آندھیوں نے اس عمارت کی پائداری کے مقابلے میں ہمیشہ سپر ڈالا ہے۔ یہ نظام حیات مذہب اسلام ہے۔ اب ذرا مذاہب عالم پہ بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالیئے۔

دنیا میں دو طرح کے مذاہب ہیں۔ ایک وہ مذہب جس کی بنیاد دینی مفکر رہنماؤں کی بتائی ہوئی تعلیمات پر رکھی گئی ہے۔ جن کو آبائی مذہب کہتے ہیں، اور مذہب کی دوسری قسم کا نام آسمانی مذہب ہے۔ جن کے متعلق یہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعہ ہم تک پہونچے ہیں۔ جیسے مذہب موسوی۔ مذہب عیسوی اور مذہب اسلام مذہب کی پہلی قسم جو انسانی دماغ کی پیداوار ہیں اس سے بحث لا حاصل ہے۔ اس لئے کہ آئے دن ان میں تغیرات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ دوسری قسم قابل توجہ اور بحث طلب ہے۔

اسلام سے پہلے دو مذہبوں کا تاریخی تجزیہ کیجئے اور ان کی تعلیمات پر نظر ڈالئے تو صاف نظر آئے گا کہ مذکورہ دونوں مذہبوں کی تعلیم بھی پوری انسانی شعبہ ہائے زندگی پر حاوی نہیں تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مکتب درس میں صرف علم و عمل، صلح و عفو، قناعت و تواضع کی تعلیم ملیگی، لیکن حکومت و فرماں برداری کے لئے جن فضائل اخلاق کی ضرورت ہے مسیحی تعلیم کے بیاض کے صفحات ان سے یکسر خالی ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوراق تعلیم میں عفو تام کے صفحے خالی نظر آئینگے۔ اسی وجہ سے ہر ہر قدم پہ نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آتی رہی اور عالم انسانی اپنی تکمیل کے لئے

ہمیشہ جامع اور کامل اصول کا محتاج رہا، جس میں انفرادیت سے اجتماعیت اور بین الاقوامیت کے سارے اصول موجود ہوں۔ جس میں گوشہ نشینی کے ساتھ کشور کشائی و فرماں روائی بھی ہو اور سبحہ گردانی کے ساتھ شمشیر زنی کی بھی تعلیم موجود ہو۔

ہماری نگاہ جب ایسی جامعیت کو ڈھونڈھتی ہے تو صرف اسلام ہماری نگاہوں کے سامنے اپنی پوری جامعیت کے ساتھ آتا ہے جسکی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے اور اس کے وہی اصول آج بھی لفظاً بہ لفظ ہمارے سامنے موجود ہیں، اگر آج معاشرہ ان اصولوں کو اپنائے تو ساری نومیدی و کشمکش ختم ہو سکتی ہے۔

یہ اک حقیقت ہے کہ خالق کائنات نے انسان کی تخلیق یونہی نہیں کی ہے بلکہ ایک عظیم مقصد کی بر آری کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے، جس نے اس رازِ تخلیق کو پہچانا اس کو نفس مطمئنہ نصیب ہوا جس کے حصول کی کوشش میں مادّہ پرست اپنی زندگی صرف کر دیتے ہیں مگر پانے سے عاجز رہتے ہیں۔ جس نے روحانی اقدار کو سمجھا ہے وہ زندۂ جاوید ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ روح کو تسکین یقین سے ملتی ہے اور یقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، لہذا رازِ سربستہ کا مشاہدہ بھی وہی کر پاتا ہے، جو اس کا متلاشی ہے، اور جس نے اس راز کو پالیا اس نے گویا یقین کی سرحدوں کو چھو لیا۔ عقل حقیقت کا قائل کروا سکتی ہے مگر مشاہدہ نہیں کروا سکتی ہے۔

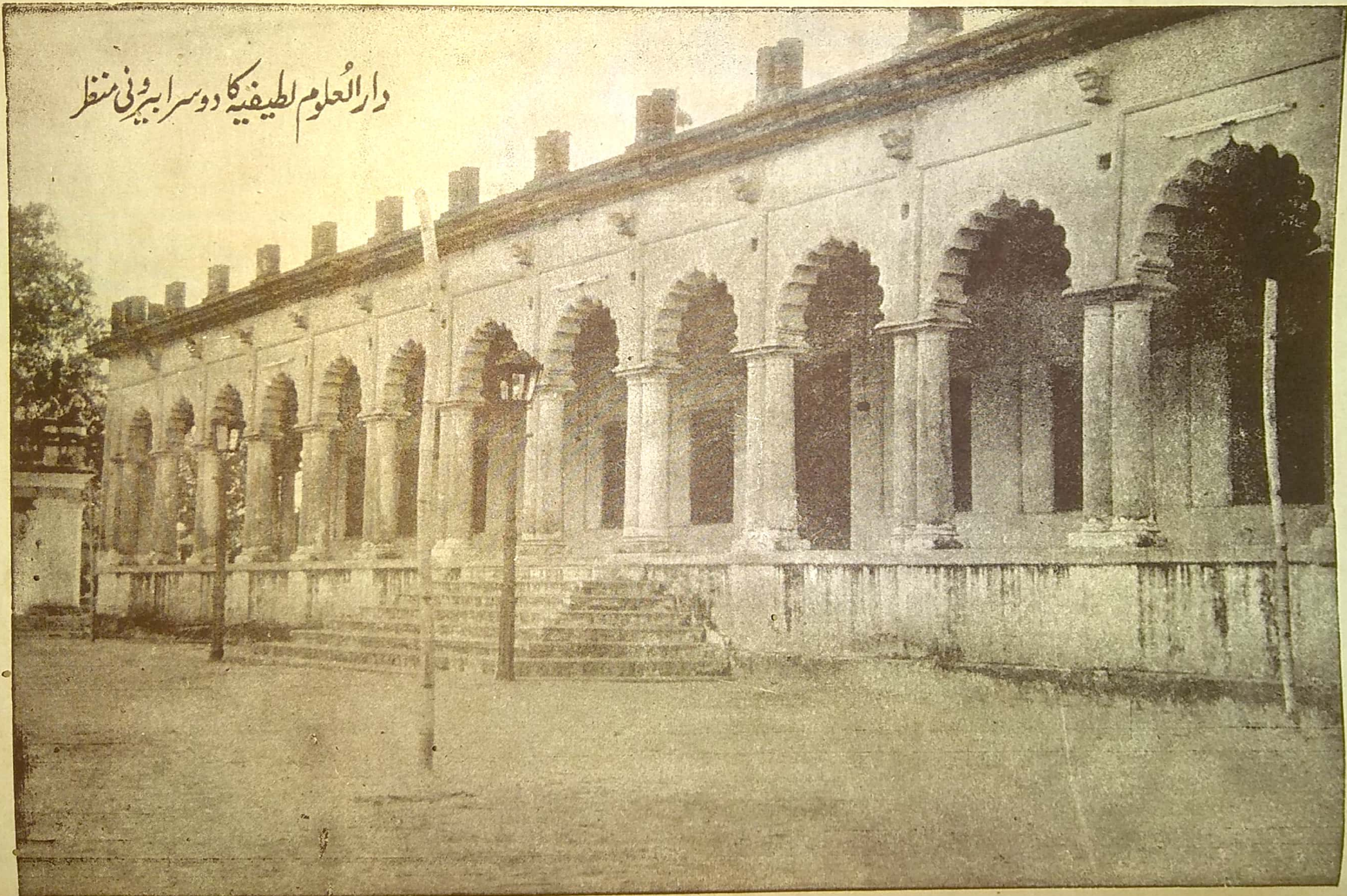
سچ فرمایا مولانا روم نے ؎

محرمِ دیں ہوش جز بے ہوش نیست

جو عقلی دلائل کی جستجو میں رہا وہ کما حقہٗ مستفید نہ ہو سکا۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ اور جس نے اپنے آپ کو کسی مخلص راہبر کے حوالے کر دیا اس نے اس نعمتِ عظمیٰ کو پا لیا۔ حضور سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں نے آپ کے ہر حکم پہ سرِ تسلیم خم کیا۔ تو دنیا نے دیکھا کہ یہ لوگ جس طرف کو نکل گئے بے شمار لوگوں نے ان کے آگے سر جھکا دیا۔ ان میں وہ زبردست قوت و کشش پیدا ہو گئی کہ ساری کائنات سمٹ کر ان کی طرف بڑھنے لگی۔ مثل مشہور ہے کہ "دئیے سے دیا جلتا ہے"۔ چنانچہ بے شمار ستارے روحانیت کی دنیا پہ روشن ہوئے۔ کرۂ ارض ہی پر ان کی جگمگاہٹ نہیں تھی بلکہ ساری کائنات ان کے نور سے منور ہو رہی تھی۔ ایک دریائے فیضان تھا جو جاری تھا۔ سارے تشنگان اس سے سیراب ہو رہے تھے۔ دنیا نے دیکھا کہ ویلور کا ظلمتکدہ کس طرح ان صاحب ہی کے طفیل سے منور و تاباں ہو گیا اور آج بھی اسکی تابانی باقی ہے۔ اور ساغر اطمینان سے تشنگان شوق کو سیراب کر رہی ہے۔

بحمد اللہ! "اللطیف" پھر ایک بار اپنے ساری لطافتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو رہا ہے اور یہ **خاص نمبر** اپنے اندر گوناگوں جوہر و لعل کے ساتھ آپکے سامنے ہے۔ پانچ سال سے یہ سالنامہ آپکی خدمت میں پہنچ رہا ہے جس کا واحد مقصد انسانیت کی سدھار اور اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرتے ہوئے بیداری پیدا کرنا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہماری ان محنتوں اور کوششوں کو خالق کائنات اپنے حبیب صلعم کے صدقے میں ضرور ٹھکانے لگائیگا۔ آمین ثم آمین

محمد طیب الدین اشرفی مونگیری



دار العلوم لطیفیہ کا دوسرا بیرونی منظر

رُوئدادِ دارُالعلومِ لطیفیہ

دارالعلوم لطیفیہ کی صدیوں سے دینی و علمی خدمات محتاجِ تعارف نہیں۔ ہر دور میں وہ نمایاں خدمات انجام دیتا رہا۔ اور ہمیشہ اس نے دین کا سچا ہمدرد اور ذی صلاحیت عالم پیدا کیا اور اب بھی یہی تمنا اور عملی کوشش ہے کہ ایسا عالم جو زمانے کے تقاضے پورا کرتا ہوا دین کی صحیح خدمت اور عوام کی کما حقہٗ رہنمائی کرنے والا ہو پیدا کرے، بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ پیکر اخلاقِ حسنہ بنانا اس کے اولین فریضہ سے ہے۔ رُوحانی تربیت کے ساتھ ساتھ اس نے طلبائے دارالعلوم کے لئے چند سامان کھیل کے بھی فراہم کررہا ہے۔ تاکہ بچے باہر پھرنے کے بجائے دارالعلوم کے گراؤنڈ میں کھیلیں۔ جس سے ان کی صحت قائم اور جسم میں چستی برقرار رہے۔

اسبابِ صحّت

دارالعلوم نے بچوں کیلئے حسب ذیل تفریحی سامان مہیا کئے ہیں:- والی بال۔ بیڈمنٹن۔ ٹینی کائٹ وغیرہ۔ اس سے انکی روزانہ ہلکی ورزش ہو جایا کرتی ہے۔

امتحانات و انعامات

ہمیشہ دارالعلوم کے اندر تین امتحان۔ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ ہوا کرتے ہیں۔

اول دو امتحان اساتذۂ دارالعلوم ہی لیتے ہیں، اور سالانہ میں ہمیشہ باہر کے ممتحنین ہوا کرتے ہیں۔ نیز شعبۂ حفظ کے لئے بھی سالانہ میں باہر ہی سے حافظ بلائے جاتے ہیں۔

اور اس طرح اس سال بھی درجاتِ عالیہ، مولوی۔ عالم فاضل وغیرہ کے امتحان باہر ہی کے ممتحنین نے لیا اور شعبۂ حفظ کے لئے بھی باہر سے حافظ بلائے گئے اور امتحان کے سالانہ اجلاس میں **مقابلۂ کتب و درسیات و تجوید و مقالہ نویسی و اسپورٹس** میں اول و دوم آنے والے طلباء کو ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر انعامات سے نوازا گیا اور درجۂ حفظ میں فارغ ہونے والے طلباء کو ہر سال کی طرح عباء اور سندِ حفظ مع اجازتِ تلاوت دی گئی۔

سندِ مطوّل

درجۂ عالم فاضل میں فارغ ہونے والے طلباء کو دستار و عباء و سند فاضل عطا کی گئی۔

جلسہائے انجمن دائرۃ المعارف

انجمن مذکور کا مقصد طلباء میں خطابت کی صلاحیت پیدا کرنا ہے اور مافی الضمیر کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کا سلیقہ سکھانا ہے۔ تاکہ وہ اسلام کی حق آواز کو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پوری دنیا میں پہنچا سکیں اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بہتر طریقے سے ادا کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں سے ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور اپنے فضل وکرم سے ہماری کوششوں کو کامیابی عطا فرمائیگا۔ (آمین)

انجمن مذکور کا ہفتہ میں ایکبار اجلاس جس میں دو نشستیں ایک شب جمعہ دوسری روزِ جمعہ ہوا کرتی ہے۔ مورخہ ۵ ر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق ۸ ر اپریل ۱۹۶۵ء شب پنجشنبہ کو حسب دستور سابق **انجمن کا سالانہ افتتاحی اجلاس** اعلیٰحضرت مولانا مولوی **ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب** قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے زیر صدارت منعقد ہوا۔

صدر موصوف نے اپنے خطبۂ صدارت میں احادیث، اور اقوال کی روشنی میں **تعلیم قرآن حکیم کی فضیلت** پر روشنی ڈالتے ہوئے طلباء کو علم و عمل کا نمونہ بننے کی ترغیب دی

آپ کے بعد عالیجناب الحاج مولانا سید عبد الوہاب صاحب بخاری پرنسپال نیو کالج مدراس نے طلبائے دار العلوم کو اپنے مخصوص اندازِ فکر میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔ علم ریاضی ہندسہ، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سب کے سب قرآن عظیم میں موجود ہیں لیکن اس کے بلند معانی و مطالب کو سمجھنے کے لئے بصیرت اور صفائی قلب کی ضرورت ہے۔ یہی کتاب درحقیقت رفیق حیات بنانے کے قابل ہے۔ یہ سفر وحضر ہر حال میں انسان کے تسکین و تسلی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حصول علم کا مقصد دین ہی نہیں بلکہ دین کے ساتھ دنیا بھی ہو۔ تاکہ دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوسکیں۔ پھر آپ نے فن خطابت پر روشنی ڈالتے ہوئے تاریخی شواہد کی روشنی میں بتایا کہ کس کس طرح خطابت کے اندر کمال پیدا کیا۔ آپ نے ان کی جانب طلباء دار العلوم کی رہنمائی کی۔

پھر عالیجناب **علامہ زاہر عزب الزغوی صاحب** مصری ازہری پی۔ ایچ۔ ڈی آکسفورڈ یونیورسٹی پرنسپل جمالیہ عربی کالج مدراس نے عربی زبان میں پُر اثر تقریر کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں طلباء کی ہمت افزائی کرتے ہوئے ان کے درخشاں مستقبل کی جانب نشان دہی کی اور فرمایا کہ تم سب اس وقت اس گلشن میں ایک کلی کی حیثیت رکھتے ہو اور آگے چل کر پھول بننا ہے۔ تمہیں پیکر اخلاق و اخلاص بننا ہے، کیونکہ ہر لشکر کے ساتھ جنگی ساز و سامان ہوتا ہے، جو اسکی کامیابی کا ممد و معاون ہے۔ اور تمہارے سامان حسن اخلاق ہیں۔ جو تمہیں دنیا و دین میں کامران کریں گے۔

آپ کے بعد **عالیجناب الحاج مولانا مولوی عبد الباری صاحب حاوی** پرنسپل جمالیہ عربی کالج مدراس نے بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ محاسن اخلاق کو اپنا لباس بنائیں اور ہمیشہ اپنے اسلاف کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں۔

پھر آخر میں عالی جناب **مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب** قبلہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دار العلوم کے خدمات کی جانب نشان دہی کی اور طلباء کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ محنت و جستجو ہی سے انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔ جبکہ طلبا کے لئے ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں تو ان کو لازم ہے کہ وہ اُن سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اپنے مستقبل کو روشن بنائیں۔ جلسۂ مذکور صلوٰۃ وسلام پر ختم ہوا۔

امسال کم وبیش انجمن کے اجلاس چالیس ہوئے جن میں چند مخصوص اور قابل ذکر جلسے حسب ذیل ہیں :-

۱۰ محرم الحرام ۸۵ھ کو سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ اور واقعۂ کربلا پر **مولانا سید حمید اشرف** نے بصیرت افروز روشنی ڈالی۔

اور مورخہ ۱۲ مئی ۶۵ء مطابق ۱۰ محرم الحرام ۸۵ھ شب جمعہ کو **مولانا ابو صالح سید احمد قادری** رح کے انتقال پرملال پر اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری کے زیر صدارت **تعزیت ادائی** کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ نے آپ کی سیرت زندگی پر روشنی ڈالی۔ آپ کے بعد جناب عبد الرحیم صاحب کامی ویلوری تحصیلدار نے آپ کی سیرت زندگی بیان کی۔ آپ کے بعد مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری پروفیسر دار العلوم لطیفیہ نے فلسفۂ موت وحیات بیان کرتے ہوئے آپ کی اعلیٰ خصوصیتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر مولانا سید حمید اشرف صاحب پروفیسر دار العلوم لطیفیہ، اور آپ کے بعد مولانا عبد الواحد صاحب پروفیسر دار العلوم لطیفیہ نے تعزیت ادا فرمائی۔ جلسۂ مذکور فاتحہ خوانی پر ختم ہوا۔

اور ۱۱ ربیع الاول کو بہتمم بالشان جشن ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم منایا گیا جس میں جملہ اساتذہ و طلباء دار العلوم لطیفیہ نے سیرت پر جامع اور مکمل روشنی ڈالی۔

اور ۱۱ ربیع الثانی کی شب میں سلطان العارفین شیخ المشائخ غوث الاعظم حضرت سید شاہ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی سیرت زندگی پر اساتذہ و طلباء دار العلوم نے روشنی ڈالی، مذکورہ خصوصی اجلاس مولانا ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کے زیر صدارت منعقد ہوئے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

طلبائے دار العلوم کی علمی ترقی کے پیش نظر مذکور بورڈ وجود میں آیا۔ بورڈ مذکور کی جانب سے سال میں ایک مرتبہ رسالہ **اللطیف** نکلتا ہے جس میں طلباء و اساتذہ وغیرہ کے مضامین ہوتے ہیں۔ طلباء کو بورڈ کی جانب سے موضوع دیا جاتا ہے۔ بچے حسب صلاحیت کتابوں کے مطالعہ سے مواد فراہم کر کے اپنے اپنے مضامین تیار کر کے بورڈ کے حوالہ کرتے ہیں۔ بورڈ مذکور اپنے متعینہ معیار کے مطابق مضامین کا انتخاب کرتا ہے جن بچوں کے مضامین بورڈ کے معیار پر نہیں اترتے ہیں، انہیں رہنمائی کر کے مزید محنت کی تاکید کی جاتی ہے تاکہ وہ بورڈ کے معیار پر پورے پورے اتر سکیں اور ان کا مضمون بھی قابل اشاعت ہو جائے اور اس سال بورڈ کی جانب سے خصوصی نمبر نکل رہا ہے۔

دار التصنیف واشاعت

دار التصنیف کے وجود میں آنے کا مقصد واحد یہ ہے کہ بزرگان مکان حضرت قطب ویلور کی جملہ تصانیف افادۂ عوام اور خدمت دین کے پیش نظر مع تراجم اور بعض قابل تشریح مضامین کی تشریح کے ساتھ منظر عام پر لائی جائیں چنانچہ بزرگان مکان قدس اللہ اسرارہم کے حالات زندگی مسمیٰ

یہ "انوار اقطاب ویلور" اور بیعت سے متعلق حضرت محوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بیعت غائب و حاضر شائع کیا گیا۔

اور امسال میزان العقائد حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے شائع ہو رہا ہے اور آپ کا ایک تصوف کا مجموعہ مسمیٰ بہ رسائل قربی جس میں آپ نے تصوف کے پورے مسائل پر اجمالاً بحث کی ہے، زیر طبع ہے۔ اشاعت کی متعینہ تاریخ تک امید ہے کہ آجائے گا۔ آجانے پر انشاء اللہ منظر عام پر آجائے گا۔

خوشخبری

شائقین علوم کے لئے نہایت ہی مسرت اور حوصلہ افزا خوشخبری ہے کہ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور کا تعلق مدراس یونیورسٹی سے ہو گیا ہے اور اب دار العلوم لہٰذا سے متعلق طلباء آسانی افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل کے یونیورسٹی امتحان میں بیٹھ سکتے ہیں۔ اس طرح دار العلوم نے ان کے لئے دین کے ساتھ دنیاوی ترقی کی بھی راہیں کھول دی ہیں۔

اطباء ڈاکٹروں کی خدمات میں

ہم ان اطباء ڈاکٹروں کی خدمت میں تہ دل سے ہدیۂ تشکر پیش کر رہے ہیں جنہوں نے طلبائے دار العلوم کے موسمی اثرات سے متاثر ہونے پر ان کی جانب فوری طور پر خصوصی توجہ فرمائی اور نہایت ہمدردی سے ان کی صحت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کو دینی و دنیوی ترقیوں سے نوازے (آمین)

مدیران اخبار و مطابع کی خدمت میں

مدیران اخبار "مسلمان"

پاسبان، آزاد اور سالار، جنہوں نے دار العلوم لطیفیہ کی وقتاً فوقتاً مختلف کارروائیوں کی رپورٹ شائع کی، اور جناب مولوی عبد المتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور اور مالک ہمدرد پریس سید فضل اللہ صاحب اندرون عزیزیہ بازار احاطہ مسجد والاجاہی مدراس ۵ جنہوں نے ہماری مطلوبہ ضروریات کی اشاعت کو مقدم فرما کر ہماری ہمت افزائی کی، ہم ان کے تہ دل سے مشکور و ممنون ہیں اور دست بدعا ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں انہیں دن دونی رات چوگنی ترقیوں سے نوازے۔

(آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم)

کردار

از مولانا ابو الحسن صدر الدین
سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری مدظلہٗ
ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

ہزاروں درود و ہزاروں سلام
بحق محمدؐ علیہ السلام

تمام حمد و ثنا اُس ذاتِ واحد اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیا اور ان تمام کا رازق بنا۔ درود و سلام ان تمام پیغمبروں پر جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی ھدایت کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا میں روانہ فرمایا۔ جس نے اپنے فضل سے اس عالم میں ایسی ایسی پوشیدہ اور ظاھر، نایاب و نادر ہستیوں کو پیدا کیا جنہوں نے خالق کائنات پر یقین کامل اور یقین محکم رکھتے ہوئے کبھی سرِ مو احکاماتِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کی۔

ناموران اسلام تو اس دنیا میں اپنے زندۂ جاوید کارنامے چھوڑ گئے، لیکن ایسی بہت ساری ھستیاں بھی ہیں جنکے زرین کارنامے رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مشعلِ راہ بنکر اُفقِ عالم پر چمکتے رہیں گے۔ چند عدیم المثال کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی سعی بلیغ کی گئی ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں جبکہ اسلامی فتوحات کا دَور دَورہ تھا اسلامی تاریخ کے ایک زرین باب میں تحریر ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق نے اپنے خط کے ساتھ ایک خصوصی نمائندہ کو سپہ سالارِ روم کے پاس بھیجا۔ جب ان کی آمد کی خبر سپہ سالار روم نے سنی، تو اس نے اپنے تمام افسروں کو خیمہ میں طلب کیا۔ اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ خلیفۂ اسلام کے پیامبر کو ذلت پہنچانے کی غرض سے ایک نشست بھی خالی نہیں چھوڑی۔ بعد ازاں انہیں خیمہ کے اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اندر داخل ہوے۔ اور خلیفہ وقت کا خط انہوں نے سپہ سالار کو پہنچا دیا۔ چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کہیں بھی کوئی نشست خالی نہ پائی تو فوراً ہی میان سے تلوار نکال کر جہاں کھڑے تھے بیچ قالین میں شگاف ڈالا اس کا چوکونہ ٹکڑا پھینک کر وہیں بیٹھ گئے۔

سپہ سالار نے للکار کر کہا کہ یہ کیا حرکت، اور گستاخی ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میرے یہاں بیٹھنے سے میری ذلت نہیں ہوگی۔ عزت اور ذلت کا دینے والا اللہ ہے۔ کسی افسر نے غضب میں آکر کہا کہ اس تلوار سے تمہاری گردن اُڑا دی جائیگی۔ اطمینان سے انہوں نے اپنی تلوار ان کے سامنے پھینک کر کہا کہ اگر تم مارنا چاہو گے تو نہیں مار سکتے۔ جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ اس عالی ہمتی اور بے باکی اور اپنے آپ پر پورا اعتماد اور اللہ پر کامل یقین دیکھ کر وہ تمام عیسائی اسلام کی خوبیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور اپنی حرکت پر شرمندہ و نادم ہوئے۔

تاریخ اسلام کے ایک اور سنہرے باب میں درج ہے کہ

صلیبی جنگ کے موقع پر صلاح الدین اور رچرڈس کی فوجوں میں جنگ و جدل ہو رہی تھی، آخر ایک وقت جبکہ اسلامی سپاہی گرفتار ہو گئے تو عیسائی فوجوں کے سپہ سالار نے حکم نافذ کیا، کہ گرفتار شدہ فوجیوں کی ایک قطار کھڑی کر دی جائے، اور ان میں سے ہر دوسرے سپاہی کو قتل کر دیا جائے۔ بہ تعمیل حکم ہر دوسرے سپاہی کا قتل ہوتا گیا۔ جب ایک آدمی کے پاس پہنچے، تو سپہ سالار نے ان کو پہچان لیا کہ اس نے ایک مرتبہ شدتِ پیاس کے موقع پر موصوف کو پانی پلایا تھا۔ احسان کا تقاضا تھا کہ وہ بھی ایسے موقع پر رحم و سلوک کا برتاؤ کرے، لہٰذا اس نے دریافت کیا کہ تیری آخری خواہش کیا ہے ؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنی بوڑھی ماں سے مل کر دودھ بخشوانا چاہتا ہوں اور وہ بھی میرے انتظار میں سخت پریشان رہے گی۔ سپہ سالار نے پوچھا کہ ایک مرتبہ چھوٹ جانے کے بعد پھر دوبارہ کیسے واپس آئے گا ؟ کہا کہ مسلمان کا وعدہ سچا ہوتا ہے اور جب دو فریقین کے درمیان عہد و پیمان ہوتا ہے تو تیسرا بھی ایک ہوتا ہے۔ جو اللہ کی ذات ہے یہ عہد و پیمان اسی کے سامنے ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اس کا چچا بھی تھا جو اسکے بازو ہی تھا اور اس نے بھی اسکی ضمانت دے دی۔ لہٰذا اس کو چند دن کی مہلت دے دی گئی۔ وہ اپنی والدہ سے جا ملا جو اسکی یاد میں بیمار ہو چکی تھی۔ جب اسکی آمد کی مدت ختم ہو گئی اور وہ نہ آیا تو اس کے چچا سے کہا گیا کہ وہ نہیں آیا اب تمہاری قتل کی باری ہے۔ چچا نے کہا کہ وہ ضرور آئے گا۔ لہٰذا مزید چوبیس گھنٹے کا وقت دیا گیا۔ مختلف لوگوں نے اپنے مختلف خیالات کا اظہار کیا کسی نے کہا کہ تم نے یہ ضمانت دیکر بے وقوفی کی اور کسی نے کہا کہ جب ایک چڑیا ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو کہیں اس کے واپس آنے کی امید کی جاتی ہے ! جب ایک شیر اپنے پنجرے سے باہر ہو جاتا ہے تو کیا وہ دوبارہ واپس آتا ہے ؟ تم نے اپنی حماقت سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالی ہے، جتنے منہ اتنی پریشان کن باتیں ہوتی رہیں۔ ان تمام کا جواب اس نے صرف اتنا ہی دیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ اس اثنا میں مزید مدت بھی ختم ہو گئی، شدید انتظار کے باوجود وہ نہیں آیا۔ لہٰذا مایوسی کے عالم میں بھتیجے کی جگہ چچا کو مقتل میں کھڑا کیا گیا۔ اور قتل کا حکم دیا گیا۔ عین اسی وقت تیز رفتاری سے گھوڑے سے آ کر اترا۔ اور اپنے چچا کو ہٹا کر آپ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اب قتل کرو۔

اس منظر کو دیکھ کر تمام لوگ حیران رہ گئے۔ دریافت کیا گیا کہ تیری آمد میں دیر کیوں ہوئی۔ جواب میں کہا کہ اسکی ماں اسکے انتظار میں بیمار ہو گئی تھی اس کا علاج کرانے میں تاخیر ہوئی۔ اس سے مزید پوچھا گیا کہ کیا تجھے موت کا ڈر نہیں ؟ کہا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور مسلمان کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔

اسلام کی حقانیت اور صداقت سے متاثر ہو کر بہت سے عیسائی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

سلاطین عثمانیہ میں سلطان سلیم خان بڑا جلال و ہیبت والا بادشاہ گزرا ہے۔ ایک روز اس کو ملازمین خزانہ پر غصہ آ گیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ مولانا علاؤالدین جمالی ان دنوں مفتی اعظم کے عہدے پر مامور تھے۔ جب انہوں نے یہ سخت حکم سنا تو ان کو ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کے قہر و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے

باب عالی پر تشریف لے گئے۔ آپ کی اچانک آمد پر لوگ حیران رہ گئے۔ حضورِ سلطانی میں جب انکی آمد کی اطلاع ہوئی تو یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کرکے بیٹھ گئے اور سلسلۂ تقریر یوں شروع کیا۔ جو علماء منصبِ افتاء رکھتے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ سلطان وقت کی آخرت بھی درست کرنے کی فکر رکھیں۔ میں نے سنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے۔ لہٰذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں۔

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہوکر کہا کہ تم کو امورِ سلطنت میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ میں معاملاتِ سلطنت میں دخل نہیں دینا چاہتا بلکہ عاقبتِ سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں۔ اور میرا یہ فرض ہے۔ کہ "ان عفوت فلک النجاۃ والا فلک عقاب عظیم" یعنی اگر تم معاف کردو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو گے۔ سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کردی۔ جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرض منصبی ادا کر چکا، اب ایک بات شانِ سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے پوچھا وہ کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں کیا یہ مناسب ہوگا کہ غلام شاہی ہو کر دربدر مانگتے پھریں ــــ! سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا تو اُن کی جگہ پھر انہیں کو عطا فرمائی جائے۔ سلطان نے ازراہِ مراحمِ خسروانہ اس کو بھی قبول کیا، مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائیگی۔

مولانا نے کہا کہ اس میں مجھکو کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ تعزیر مرضئ سلطانی پر منحصر ہے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان شہر بصرہ میں لب سڑک تھا۔ ایک روز جب آپ غسل کرنے کے ارادہ سے غسل خانہ گئے تو آپ اپنا پوستین سڑک کے کنارہ ہی چھوڑ گئے۔ اتفاق سے حضرت خواجہ حسن بصری کا گذر وہاں سے ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کا پوستین چھوٹ گیا ہے۔ لہٰذا تھوڑی دیر تک آپ وہیں نگرانی کرتے رہے۔ اس اثنا میں حضرت موصوف بہ اطمینان غسل سے واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی پوستین کی نگرانی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب کو سلام کیا اور فرمایا کہ اے مسلمانوں کے امام آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ پوستین یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر کوئی لے جاتا تو کیا ہوتا؟ تم کس کے بھروسہ پہ چھوڑ گئے تھے۔ حضرت حبیب نے فرمایا کہ میں اس کے بھروسہ پہ چھوڑ گیا تھا جس نے آپ جیسے ایماندار و دیانتدار اور صاحب کمال کو اس کا نگہبان بنایا۔

زمانۂ سلف کے عظیم انسانوں کا یہ شاندار کردار ہے، دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے بندوں کو یہ اعلیٰ کردار عطا کرے اور اسلام کی تمام تر خوبیوں سے انہیں مالا مال کرے۔ آمین۔ ثم آمین!!

ترجمہ مکتوب

قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین حاجی الحرمین حافظ قرآن حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی المشہور بہ قطب ویلور

[یہ مکتوب آپ نے اپنے مرید مولانا عبد الرحیم ضیاء حیدر آبادی کے جواب میں ۲۱ر جمادی الاخری ۱۲۸۸ھ کو تحریر فرمایا تھا۔]

سلام مسنون ۔ کرامت التفات نامہ ۱۴ر جمادی الاخری ۱۲۸۸ھ کو رسالۂ شیون بے چوں کے ساتھ پہونچا۔ قلبی خوشی ہوی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک آپ کا وجود، اسلام کے دورِ غربت میں غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو باقی وسلامت رکھے، سائل قوی صلاحیت و استعداد کے مالک ہیں اور فقیر کی نگاہ میں غنیمت وقت میں ہیں۔ کوئی تعجب نہیں ہے کہ کسی صاحبدل کی صحبت مل جانے سے عالم قدس میں پرواز کریں۔ حاصل یہ کہ

مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

بےچون وچرا کی قید سے پاک ایک نور، سرصورت کی چادر سے باہر نکالا، جب اس بےصورت نے اس صورت میں قرار پکڑا، چھپنے کے لئے اپنا نام یوسف رکھا صوفیاء صافیہ ظہور وجود کے چھ مراتب کو تنزلات ستہ اور مظاہر شش گانہ کہتے ہیں، کسی شئ کے نزول کرنے سے مراد یہ ہے کہ حقیقت اور حقیقت کے لوازم واحکام باوجود حفظ کے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں نزول کرتی جائے اور نیچے کا مرتبہ زیادتی اس طرح قبول نہ کرے کہ سابق مرتبہ میں کوئی تبدیلی یا نقصان واقع ہو، اور اس کا نزول دوسرے مرتبہ میں اسکی اصل حقیقت کے احکام کے مانع ہو، اسکی

مترجم

مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری

مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ پانی کی تعین موجوں اور بلبلوں کی شکل ہیں، اور موم کی تقیید پیادہ اور فرزین کی صورت میں اور شخص واحد کا ظہور کثیر مختلف رنگوں اور شکلوں کے آئینوں میں اور حروف مفردہ اور مرکبہ کا ظاہر ہونا نفسِ واحدہٗ ساذجہ غیر مرکبہ سے ظہور اور بروز، تجلی وتعین اور تقیید، یہ تمام تنزل کی معنی کی جانب راجع ہیں، (مراد) اور ہر شئی کی صورت اسکی محتملہ صورتوں سے شئی کی مظہر ہے اور صورت شئ اس امر سے مراد ہے، جس سے وہ معقول اور محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ صورتیں یا تو اصلیہ ہیں، جیسا کہ حی، علیم، بدیع اور باعث اور تمام اسمائے الٰہیہ جس کا حق جل مجدہٗ مصداق ہے یا وہ عارضہ ہوں جس کا مصداق حق کا غیر ہیں اور صور عارضہ یا تو قدیمہ ہیں، اس کو صور علمیہ اور اعیان ثابتہ کہتے ہیں، یا حادثہ ہیں۔ اس کو صور روحانیہ اور صور جسمانیہ کہتے ہیں۔ اور یہ تمام مظاہر مُظہرِ حق تعالےٰ وتقدس کے ساتھ جس کو وجودِ منبسط اور وجود عام کہتے ہیں، قائم ہیں جیسا کہ دِکھنے والی صورتیں آئینہ کی سطح پہ اور جسم کی صورتیں جان کی سطح پہ قائم ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اللہ حی اور

قیوم کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

قیصری نے شرح فصوص کے مقدمہ میں کہا ہے کہ عالم مُلک (عالم شہادت یعنی دنیا) عالم ملکوت (ای مقام ملائکہ ۱۲) کا مظہر ہے، اور وہ عالم مثالی مطلق کا اور وہ عالم جبروت (عالم ارواح) کا مظہر ہے۔ یعنی عالم مجردات اور وہ عالم اعیان ثابتہ کا مظہر ہے۔ (اس جگہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جبروت اور ملکوت دونوں کے معنی دوسرے ہیں) اور عالم اعیان وہ اسماءِ الٰہیہ اور حضرت واحدیت کے مظہر ہیں اور واحدیتہ حضرت احدیتہ کے مظہر ہیں۔ سچ کہا ہے ایک بزرگ نے ؎ تمام اجسام ارواح کے ظل ہیں اور تمام ارواح اعیان کے ظل ہیں۔ پھر اعیان اسماءِ حق کے ظل ہیں۔ اگرچہ کہ اسماء ذاتِ مطلق کے ظل ہیں۔

صاحبِ لمعات فرماتے ہیں کہ چاند آفتاب کا آئینہ ہے اس طرح پہ کہ ذات خورشید سے ماہ کے اندر کچھ نہیں پایا جاتا ہے۔ اور چاند کی ذات سے آفتاب میں کوئی اثر نہیں ہے۔ ایسا ہی اسکی ذات میں اس کے سوا کوئی شئی نہیں ہے۔ اور اس کے سوا میں ذات حق سے کچھ نہیں ہے۔ اور شیخ پیر علی مہائمی صاحبِ تفسیر رحمانی المحاض النصیحۃ میں لکھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر شئی کا وجود بالذات نہیں ہے بلکہ نور حق کے پر تو سے ہے۔ اور شک نہیں ہے کہ اس کے درمیان اور محل کے درمیان ایک نسبت ہے۔ اس نسبت کا منشاء صفت بالذات ہے اور وہ صفت ذات کے ساتھ اسم ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے۔ پس حق تعالیٰ کے اسماء اشیاء میں ظاہر ہیں۔ اور وہی ربوبیت کے اسرار ہیں۔ لیکن جس میں کہ اسماء ظاہر ہوتے ہیں وہ رب نہیں ہو جاتا ہے بلکہ مربوب ہے۔ نادان وہم کرتے ہیں کہ مربوب رب ہوگیا جیسا کہ بچہ آفتاب کی صورت آئینہ میں دیکھتے وقت یہ وہم کرتا ہے کہ آئینہ میں آفتاب ہے۔ انتہیٰ

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

ہر در و دیوار کہتی ہے کہ میں روشن ہوں۔ میں غیر کا عکس نہیں رکھتے ہوں کہ تمہیں ہی ہوں۔ تو آفتاب کہتا ہے، کہ اے ناخلف جب میں غائب ہو جاتا ہوں تو کیا تو روشن ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے سچ فرمایا ہے ؎ عارف، حق پرستی سے اس کا ولی نہیں ہوتا ہے۔ آئینہ رونما ہے۔ ولی رو نہیں ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

دل کو اگر آئینہ کی طرح صاف کر ڈالے تو یقیناً دوست کا جمال تو دیکھے، وہ میرے دل میں ہے۔ اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جب آئینہ میرے ہاتھ میں ہوتا ہے، میں آئینہ میں ہوتا ہوں۔ امام ربانی نواسی[۸۹] مکتوب جلد سوم میں فرماتے ہیں، یہ فقیر جو کچھ کہ ان اطلاقات سے ہمہ اوست کا معنی سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام جزئیات حادث، ایک ذات حق تعالیٰ و تقدس کے ظہور ہیں۔ وہ اس طرح سے کہ مثلاً زید کا ظہور ہے اس جگہ نہ جزئیت و اتحاد ہے اور نہ حلول و تلوّن ہے۔ زید کی ذات ان تمام صورتوں کے باوجود اپنی خالص اصلی حالت پہ ہے۔ اور یہ صورتیں نہ کچھ بڑھ گئی ہیں، نہ گھٹ گئی ہیں۔ جس جگہ کہ زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے تاکہ جزئیت، اتحاد و حلول اور سریان کی نسبتوں سے کوئی نسبت اس کے ساتھ کریں۔ الآن کما کان (جیسا تھا ویسا

ہی اب ہے) کا بھید اسی جگہ ڈھونڈھنا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ اس مرتبے میں ہے کہ جس طرح عالم کے لئے ظہور سے پہلے اس جگہ کوئی گنجائش نہیں* ہوگی۔ پس وہ یقیناً الآن کما کان ہے۔ انتہیٰ۔

حاصل یہ ہے کہ وجودات خاص کے درمیان ایک جامع جہت ہے اور وہ وجود عالم ہے (وجودِ منبسط) اور وجود عالم کی یہی جامع جہت کثرت عالم میں توحید وجود، احاطہ، سریان اور قرب و معیت کا مبداء ہے جیسا کہ جان منبسط کی جامع جہت کثرت بدن میں توحید زبد اور اس کے احاطہ، سریان اور قرب و معیت کا مبداء ہے۔ پس وحدۃ وجود ایک امر وجدانی ہے۔ قیصری نے مقدمۂ تائیہ میں کہا کہ وجود جو چیز سمجھی جا رہی ہے، وہ صرف شیئ واحد ہی ہے اور منکا بر اپنے وجدان کا منازع ہے۔ انتہیٰ، اور یہ وجود عام تعالیٰ و تقدس جوہر قیوم اور جنس اعلیٰ ہے، اور وجودات خاصہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ اس عین واحد وجود میں اعراض مجتمعہ ہیں۔ مولانا جامی شرح فص یوسفی میں فرماتے ہیں، کہ جس شخص نے یہ سمجھا کہ عالم کے لئے فی نفسہٖ ایک مستقل وجود ہے، جو وجودِ حق کے مغائر ہے تو اس میں شک نہیں کہ وہ محض وہم اور خیال ہے۔ اس کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ اُسے نفس الامر سے کوئی مطابقت ہے۔ انتہیٰ۔

اور جنس اعلیٰ کی نسبت وجودات خاصہ کے ساتھ چار دل مشہور نسبتوں میں سے عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ بخلاف شہودیہ ایجادیہ اور علماء علم کلام کے۔ کیونکہ ان کے نزدیک وجودات خاصہ کے درمیان کوئی جامع جہت نہیں ہے، بلکہ تمام حقیقتیں مختلف ہیں۔ اور تمام آثار فاعل حقیقی (خدا تعالیٰ) سے فائض ہیں جو اس کی ذات کا اقتضاء ہے، اور وہ اس وجودات خاصہ کا ہر طرح سے غیر ہے۔ پس وجود عام، اور وجود عالم کے درمیان تباین کی نسبت ہوی۔

دل میں باتیں تو بہت زیادہ ہیں لیکن اکیاسی سالہ پیری اور مشغولیت کی کثرت اور قریب میں کعبۃ اللہ کا عزم اس کی پوری ترجمانی کرنے سے مانع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے لئے ایک عمل قلب کیا گیا ہے۔ سعادت آثار جواہر السلوک کے آٹھویں فائدے کے آخر میں چہارم قرب کے بیان میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ قرب سیوم اور چہارم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، جو شخص کہ ان دو آخر کے قرب سے مشرف ہو جائے وہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی رویت سے مشرف ہوگا۔ اگر کوئی شخص مہینہ کے ایام عروجی میں کپڑے، بدن اور جگہ کی پاکی کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد کسی سے بات نہ کرے، اور حضور قلب سے تین بار درود شریف خواہ کوئی بھی درود ہو پڑھے اور بسم اللہ کے ساتھ ایکہزار بار سورۂ اخلاص پڑھے اس کے بعد پھر تین بار درود پڑھے اور پوری عاجزی و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دعا مانگے اور بغیر کسی بات چیت کے سیدھے پہلو پر سو جائے، یہ عمل مکرر کرے، اُمید ہے کہ ایک ہفتہ میں مجازی رویت سے مشرف ہو جائے گا، بیشک وہی قریب اور مجیب ہے (دعا قبول کرنے والا) اور ہر شئ پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ماسوا سے پھر جانے کی اور اپنی جانب متوجہ ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے وسیلے سے توفیق بخشے۔

(آمین)

* صحی ۱۰ - اسی طرح ظہور کے بعد بھی اس جگہ کسی غیر کی گنجائش نہیں ہوگی۔

یہ مضمون حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری بی اے
ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی فرمائش پر لکھا گیا۔
نہیں معلوم کہ عطا کردہ موضوع کہاں تک کامیاب ہو سکا۔

تدبیر و تصرفاتِ الٰہیہ

از مولانا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری مدرس دارالعلوم لطیفیہ

کائنات ارض و سماء کے اس مستحکم نظام پر جب نظر ڈالتے ہیں، جب عقل سلیم اس پر غور و فکر کرتی ہے تو ہماری نگاہوں سے کلی طور پر اس کائنات کے اندر مدبر و متصرف حقیقی کے متعلق حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس وسیع کائنات کا کوئی دانا و بینا مدبر و متصرف ضرور ہے۔ جس کے تحت یہ منظم و مستحکم نظام قائم اور کائنات کی ہر شئی اپنے کام میں مصروف، اپنی حقیقی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور وہی ایک مقناطیسی طاقت ہے، جو ہر ایک کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کائنات کا یہ ہنگامہ ہست و بود پکار پکار کر کہہ رہا ہے

؎ کر رہی ہے درحقیقت کام ساقی کی نگاہ
مے کدے میں گردش مینا برائے نام ہے

کائنات کی ایک حقیر مخلوق سے لیکر مہیب اور جسیم مخلوق تک میں اسی ایک مدبر کی تدبیر اسی ایک متصرف کا تصرف حقیقی کارفرما نظر آتا ہے اور پوری کائنات میں بسنے والی ہر مخلوق کو بکیک وقت اسکی بقا کے لئے رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کے تصرف و تدبیر بے پناہ کا اندازہ ایک مور بے مایہ کے اس شعور سے لگائیے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ جواہر الحقائق ص۱ میں کہ الہام بھی ذریعۂ علم ہے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

و مور در تابستان برای زمستان ذخیرہ ساختن و غلہ را باندیشۂ روئیدن دو پارہ کردن و چوں نصف گشنیز می روید بنا براں ہر گشنیز را چار پارہ کردن و باندیشۂ عفونت بیروں سوراخ آوردہ ہوا دادن و باندیشۂ خوردن عصافیر بشب خصوصًا در ضوء قمر منتشر نمودن۔ یعنی چیونٹی کا گرمی کے موسم میں جاڑے کے ذخیرہ کرنا اور غلہ کو اگنے کے خوف سے دو ٹکڑے بنانا اور دھنیاں جبکہ اس کا نصف اگتا ہے ہر دھنیاں کو چار ٹکڑے کرنا اور اس میں بو پیدا ہونے کے خوف سے سوراخ سے باہر لاکر ہوا دینا اور گوریا کے کھانے کے اندیشہ سے رات میں خاصکر چاند کی روشنی میں منتشر کر دینا یہ سب اسی راہ سے ہے۔

اس مور بے مایہ کی دوررس یہ تدبیریں کھلے طور پر ظاہر کر رہی ہے کہ خالق کائنات نے اس حقیر مخلوق کو پیدا کرکے یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ وہ فنا ہو جائیں بلکہ وہ عادل حقیقی اسکی زندگی کا پورا پورا حق اسے عطا فرما رہا ہے، اور اس کی بقا کے لئے اسے بجائے نظر انداز کرنے کے اپنی پوری تدبیر و تصرف سے کام لے رہا ہے تاکہ وہ حقیر مخلوق بھی اسکی عام نعمتوں سے محروم نہ رہ سکے۔

باران ابر بہاری سے زمین کے گود میں پودے کو اُگاکر اس کو درجۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ضوءِ قمر سے اس کو بالیدگی عطا کرتا ہے اور تمازتِ آفتاب سے اس میں پیدا ہونے والے جراثیم کو فنا کرکے استحکام عطا کرتا ہے اور جب تناور درخت ہو جاتا ہے اور اس میں شگوفے لگتے ہیں تو پھر اسی کی ایما و پر نسیم سحری کے لطیف روح پرور جھونکے اس سے اٹھکھیلیاں کرتے ہیں۔ تو بے ساختہ تبسم پھول بن جاتا ہے، اور اسطرح وہ درجۂ تکمیل کو پہنچکر مبداء کی جانب عود کر جاتا ہے۔ اس طرح انسان کی حیرت انگیز تخلیق پر نظر ڈالئے کہ وہ کس طرح وجود میں آیا۔ قرآن اسکو یوں واضح کر رہا ہے۔ وَبَدَأَ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين یعنی انسان کی پیدائش کو گیلی مٹی سے شروع کیا پھر اس کی نسل ایک خلاصہ سے ٹھیرائی جو کمزور و ذلیل پانی سے ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین اور ہم انسان کو گیلی مٹی کے خلاصہ سے پیدا کرتے ہیں، پھر ہم اسے ایک مضبوط ٹھرنے کی جگہ میں مادۂ تولید بناتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی جگہوں پر انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے متعلق ذکر کیا ہے۔ اس کے لامتناہی قدرت و تصرف کا سلسلہ خاک سے ایک خلاصہ تیار کرکے ایک حسین و جمیل انسان کو وجود میں لا رہا ہے اور انسان کو ہر وقت دعوت غور و فکر دے رہا ہے کبھی خود اسکی تخلیقی حالت پر کبھی آفاق میں فکر اور اس کے طریقے بتا رہا ہے۔ کائنات کے اندر ہرآن وجود و عدم کا غیر متناہی سلسلہ اور ایک کا عدم دوسرے کے وجود کا سبب اور تمام مخلوق کا مصروف تنازع للبقا اور بقا و اصلح کی انتھک کوشش اسی ایک بے پناہ طاقت و قوت کے مالک کی جانب مشیر ہیں کہ وہ متصرف و مدبرِ حقیقی جو ساری طاقتوں و قوتوں کا سرچشمہ ہے جس کے حقیقی تصرفات میں کائنات کی کوئی شئ شریک و سہیم نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہی ایک گدائے بے نوا کو شکوہ قیصری عطا کرتا ہے اور شہنشاہ ہفت کشور کو خاک میں ملاتا ہے۔ وہی خاک کے ذرات کو ستاروں کی تابندگی اور کہکشاں کا جمال بخشتا ہے۔ وہی چرخ نیلی فام کی حسین و تابندہ قندیل کو سیہ پوش بھی کرتا ہے۔ وہی قادرِ مطلق ہے جو پھولوں کو قہقہہ، کلیوں کو تبسم، موجوں کو تڑپ، سنبل کو وارفتگی، فلک کو گردش، زمین کو سکون عطا کر رہا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے حیاتِ انسانی کا نشیب و فراز اور قوموں کا عروج و زوال اسی کی باریک و گہری تدبیر و حکمت کو واضح کر رہا ہے۔ جہاں تک کسی عقل انسانی کی رسائی وقت سے پہلے ممکن نہیں۔ کسی انسان کو وہ مصائب و آلام میں اس لئے مبتلا کرتا ہے کہ اس کی حقیقت خود اس پر واضح ہو۔ کسی سے کوئی شئ اس لئے سلب کر رکھا ہے کہ اس سے بہتر اور قیمتی نعم البدل عطا فرمائے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصائب و آلام سے بھری ہوئی زندگی کا مطالعہ فرمائیں کہ جب خالق کائنات نے فرعون جیسے جابر و ظالم کے تاج و تخت کو الٹنے کا ارادہ فرمایا تو اس کام کے لئے قدرت نے حضرت موسیٰؑ کا انتخاب فرمایا۔ اور بچپن ہی سے میدان کارزار میں مصائب و شدائد برداشت

کرنے کا عادی بنایا اور طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا۔

مولوی آزاد نے انسان کی حیات صالحہ میں کہا کہ ابھی انہوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ ماں کی آغوش محبت سے جدا ہوگئے۔ جس آغوش کی محبت سے زمین پر رینگنے والے کیڑے بھی محروم نہیں رہتے، اللہ کی معلمانہ مشیت نے اپنے اولوالعزم رسولؑ کو اس سے محروم کردیا۔ دریای نیل کی طوفان خیز موجوں کی آغوش میں انہیں ڈال دیا گیا۔ کہ ایکدن دریا کے طوفان ہی میں سے ان کو اپنی راہ نکالنی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حکم الٰہی کے موجب تابوت میں رکھ کر دریائے نیل کی موجوں کے حوالہ کر دیا۔

دریائے نیل کی مہیب موجیں اس امانت الٰہیہ کو لئے ہوئے اس کے حوالہ کر رہی ہیں جس کا تاج و تخت فنا کرنا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون ہی کے آغوش میں تربیت پاکر شاہی رعب، جابرانہ طرز حکومت اور بنواسرائیل پر مظالم کا مشاہدہ کرتے رہے۔ پھر قدرت نے آپکی تکمیل کے لئے مدین آپ کی درسگاہ مقرر کیا اور آپ کو مدین کی جانب بھیجدیا گیا۔ وہاں ایک زمانے تک تربیت پاتے رہے اور جب وقت آیا تو ساری ذمہ داریوں کو آراستہ کرکے فرعون کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا کہ یا تو راہ راست پر آجائے اور ظلم و عدوان سے باز آجائے، یا اپنے کیفر کردار کو پہونچنے کے لئے تیار رہے۔ نتیجہ آپ نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی مظلومیت جب انتہا کو پہنچ گئی تو قدرت نے بے شان وگمان ظالمین خاسرین کو نیل کی خوفناک موجوں کے حوالہ کرکے ہمیشہ کے لئے فنا کی آغوش میں سُلا دیا۔ اور کوئی انسانی تدبیر اس کے کام نہ آسکی۔

اسی طرح جب کشتِ انسانیت تباہ ہو رہی تھی تو مکہ کی سرزمین پر خالق کائنات نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، دنیا نے دیکھا کہ ظالمین نے کیا کچھ نہیں کیا حتیٰ کہ قتل پر اتر آئے لیکن قدرت الٰہی ان کی ان تدبیروں پر مسکرا رہی تھی اور ان کے عقل سے ماوراء مصروف تدبیر تھی۔ وقت آیا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ کے پیارے رسولؐ اپنے پورے عزم و استقلال، پورے جاہ و جلال سے آگے بڑھے اور اتنے آگے کہ دنیا ان کی گرد پا بھی نہ پاسکی اور آج دنیا میں نو۹ کروڑ سے زائد جان نثاران رسولِ عربی دنیا میں موجود ہیں۔ دنیا کی ساری طاقتیں سمٹ کر صف آرا ہوئیں اور چاہا کہ دین حق اور دین حق کے پاسبانوں کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں لیکن ہمیشہ تدبیرات الٰہیہ کے سامنے انہیں خیبت و خسران کا سامنا کرنا پڑا اور آج بھی وہی ہماری اور آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

ناظرین! ایک انسان کی نگاہ میں وہ زندگی کا کتنا ہی بڑا المیہ ہوتا ہے، جب وہ کسی شئی کے حاصل کرنے میں اپنی پوری طاقت و قوت صرف کرتا ہے اور ہر اس سبب کو مہیا کر لیتا ہے جو مطلوبہ شئی کو حاصل کرنے میں درکار ہوتی ہے۔ وہ یقین کر لیتا ہے کہ اب ضرور اسکی کوشش کامیاب ہو جائیگی۔ اور وہ اپنی محنتوں کا جائز ثمرہ پا جائے گا۔ لیکن عین وقت پر وہ مطلوبہ شئی کے حصول سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے اسباب بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسکی کوششیں ناکام

ہو جاتی ہے اور وہ ہمہ تن مایوس اور سراپا تصویرِ غم ہو جاتا ہے
اسی طرح انسانی زندگی کی وہ سب بڑی اور واحد خوشی ہوتی ہے
جب وہ کسی شئی کے حاصل کرنے میں ساری تدبیروں اور کوششوں
اور اسباب سے محروم ہو کر مایوس ہو جاتا ہے اور یقین کر لیتا ہے۔ اب
اس کو سوائے محرومی و ناکامی کے کچھ نہیں ہے جتیٰ کہ اس ہونے
والی تباہی کو دیکھنے کے لئے سراپا منتظر رہتا ہے کہ اچانک اس کی
امیدوں کے خلاف اس کے حسب منشاء مطلوبہ شئی مل جاتی ہے
اور وہ بے انتہا خوشی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے حتیٰ کہ
خوشی میں رقص کرنے لگتا ہے۔ اسکی وجہ ظاہر ہے کہ بندہ اسباب
تو مہیا کر سکتا ہے لیکن نتائج و ثمرات کا برآمد بہرحال اسکی قدرت
میں نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ کسی کو مقصود عطا کر کے
خوشی بخشتا ہے اور کسی کو محروم کر کے بحرِ غم میں غوطہ زن کرتا ہے۔
اس اختیارِ تصرف میں کسی کو مجالِ چون و چرا نہیں۔ اِنْ یَّمْسَسْكَ
اللہ بضر فلا کاشف له وان یمسسك بخیر فھو
علی کل شئی قدیر وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم
الخبیر ۔ یعنی اگر وہ ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کو ہٹانے
والا نہیں اور نیکی اور برکت دینا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہے
وہ بندوں پر غالب ہے، وہ ہر نکتہ سے آگاہ ہے اور ہر خبر سے
واقف ہے (انعام)

جس طرح برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال کرنا اللہ جل شانہ کے
تحت تصرف ہے اسی طرح ان برکتوں اور نعمتوں سے محروم کر دینا اور
تکلیف میں مبتلا کر دینا بھی اس کے قبضہ و اختیار میں ہے کیونکہ جس طرح
جملہ اشیاء اسکی ملکیت ہے اسی طرح انسان بھی اسکی ملکیت ہے۔
اور اسکی ذات میں بھی وہ پورا پورا تصرف کا مالک ہے۔ انسان
کی ذات میں یا اسکی ذات سے خارج جو اس کے لئے ہیں تمام کی
تمام امانت الٰہیہ ہیں۔ وہ جس وقت چاہے واپس لے سکتا ہے،
یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بندے کو جو بھی ضرر و نقصان
پہنچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بندے پر اس حال میں بھی
فضل و رحمت ہی سے پیش آ رہا ہے۔ یہ اور بات ہے ہر انسان
یہ حقیقت کو نہیں سمجھتا ہے کیونکہ جب انسان اللہ کی ملکیت
قرار پایا تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی چیز کو ہرگز برباد کرنا نہ
پسند کرتا ہے نہ کرے گا۔ بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ چیز بہتر سے بہتر
حالت میں باقی رہے۔ اور ہمیشہ باقی رہے۔ اگر خارجی اثرات
کوئی نقصان پیدا کر دیتے ہیں تو اس پر تصرف کر کے اس کو حالتِ
اصلیہ پر لانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ یہ تصرف ہرگز اشیائے
متاثرہ کے لئے نقصان دہ نہیں۔ یہ نقصان جس کا اسکو احساس
ہو رہا ہے حالت اصلیہ سے دور ہونے کے نتیجہ میں ہے۔ جو مزید اس
کی نکھار کا سبب ہے۔ بالکل یہی تصرف حق تعالیٰ کا انسان کی
ذات میں ہے۔ چنانچہ وہ خود فرما رہا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں
جسے تم مکروہ اور ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر
ہیں اور بہت ساری ایسی ہیں جسے تم پسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے
لئے شر ہے اور اللہ ہی اسکو جانتا ہے، تم نہیں جانتے ہو۔ اس کیے
اس کلام نے حقیقت بالکل آشکار کر دیا کہ انسان کی بہتری کو
انسان سے زیادہ اسکا مالک حقیقی رب العالمین ہی جانتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزندانِ اسلام کی اصلی تصویر

از مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب
مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

پیش نظر مضمون جناب سید سعید احمد صاحب ایم۔ اے لکچرار محمد حسن کالج جونپور (یو۔ پی) کے مختلف سوالوں کا جواب ہے۔ جوابات تفصیل طلب ہیں۔ اس لئے ایک طویل مضمون کی شکل ہوگئی۔ چونکہ اسکی اشاعت کا پہلے سے کوئی خیال نہ تھا۔ اس لئے ان سوالات کا غذ اور اسکی اصل عبارت محفوظ نہ رہ سکی اور جواب کے ساتھ سوالات کی عبارت شائع نہ ہو سکی۔ مضمون کے پڑھنے میں ناظرین کرام کو جہاں جہاں اور جس جس موقع پر ماقبل اور مابعد میں بے ربطی و بے تعلقی نظر آئے تو سمجھ لیں کہ یہ حصہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ اس حصہ کو پڑھنے کے بعد سوال کا عنوان خود ذہن میں قائم کرلیں۔ مضمون کی اشاعت کے وقت یہ مسئلہ بھی پیچیدہ تھا کہ ایسے مختلف الانواع مسائل کا عنوان کیا ہو۔ میں حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی کا ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے زیر نظر مضمون کا عنوان "فرزندانِ اسلام کی اصلی تصویر" تجویز فرمایا جو عمدہ بھی ہے مسعود و مبارک بھی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

آخر میں تمام ناظرین کرام سے ہماری درخواست ہے کہ خواہ وہ کسی بھی جماعت اور مسلک سے تعلق رکھتے ہوں تعصب و نفسانیت سے ہٹ کر انصاف و دیانت کی راہ اختیار فرمائیں کہ اسی میں قوم کی صلاح و فلاح مضمر ہے!!!

اسلام نے رُہبانیت یعنی دنیا سے بالکل قطع تعلق اور دنیاداری یعنی بالکل دنیا ہی کی چیزوں پر فریفتہ و شیدا ہوجانا دونوں کی مخالفت کی ہے اور درمیانی راستہ یہ بتایا ہے "دست بکار و دل بیار" مطلب یہ کہ انسان کو اپنا دنیا کا حصہ تو حاصل کرنا چاہئیے لیکن اس سے دلی تعلق نہیں رکھنا چاہئیے۔ دنیا کمائے لیکن اس سے محبت نہ کرے۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے سوال کیا کہ بتاؤ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ میری دولت میرے بعد دنیا کے سب سے اچھے آدمی کو دے دی جائے تو تم وہ دولت کس کو دوگے؟

اس سوال کا ہر شخص نے مختلف جواب دیا لیکن حضرت نے فرمایا کہ دنیا کا سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس نے دنیا ترک کر دیا ہو

سب لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت جب وہ شخص "تارک دنیا" ہوگا تو اس دولت کو قبول ہی کیوں کرے گا۔

حضرت نے جواب دیا۔ بات تو خرچ کے بارے میں ہے، یعنی تارک دنیا اس کو نہیں کہتے جس کے پاس خرچ کرنے کو کچھ موجود ہی نہ ہو، اور وہ محض مفلس و رکنگال ہو، بلکہ دنیا کو ترک کرنے والا وہ ہے، جو جمع کر کے نہ رکھتا ہو اور اپنی آمدنی جائز طریقے سے خرچ کرتا ہو۔ جب ہم خیر القرون کے دَور پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یہی شان دکھائی دیتی ہے کہ جب ان سے خرچ کے لئے کہا جاتا ہے تو کوئی بیک وقت اپنی آدھی دولت لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال رہا ہے اور کوئی اُس سے آگے بڑھکر اپنا سب کچھ دین اور انسانیت کے نام پر نچھاور کر رہا ہے اور جب رسول علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا تو عرض کرتے ہیں، اللہ اور اس کا رسولؐ، یہ ہے ترک دنیا۔

یہاں پر ایک دو واقعہ مزید عبرت کے لئے نقل کر دینا مناسب ہے، تاکہ اندازہ ہو کہ اللہ کے نیک بندوں کی کیا شان ہوتی ہے۔

حضرت غوث پاکؒ تجارت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں حضرت کو خبر دی گئی کہ جو جہاز آپ کا اسباب تجارت لیکر گیا تھا وہ ڈوب گیا اور سب مال تباہ ہوگیا۔ اگر کوئی دنیا دار اس خبر کو سُنتا تو شاید خودکشی کر لیتا۔ لیکن اس کے جواب میں فرماتے الحمدللہ۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کو خبر دی گئی کہ پہلی اطلاع غلط تھی، اب معلوم ہوا ہے کہ آپ کا جہاز صحیح سالم خوب منافع لیکر واپس ہوا ہے۔ تو یہ سن کر بھی ارشاد ہوا الحمدللہ۔ جہاز ڈوبنے کی خبر سے انہیں نہ کوئی رنج تھا اور سلامتی کی خبر سے نہ کوئی خوشی، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ اس لئے کہ دنیا کا ساز و سامان جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ دل سے باہر ہوتا ہے، دل کے اندر اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اور وہ "دست بکار و دل بہ یار" کا مصداق ہوتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے تھے۔ بادشاہ نے اعتراض کیا کہ یہ کیسی درویشی ہے؟ حضرت نے جواب دیا! "کجا انداختم در دل مگر انداختم در گل" میں نے کھونٹوں کو اپنے دل میں نہیں گاڑا، مٹی میں گاڑا ہے۔ جن پر گھوڑے پیشاب کرتے ہیں۔ آپ کے لنگر خانہ میں ہزاروں آدمی روزانہ عمدہ سے عمدہ کھانا کھاتے تھے، بے شمار لوگوں کو کپڑے اور زندگی کے دیگر لوازمات تقسیم ہوتے تھے۔ صبح سے شام تک بے حساب دولت نذرانہ میں آتی تھی، لیکن شام تک اس میں سے ایک حبّہ بھی بچا کر نہ رکھا جاتا تھا، خود آپ کا یہ حال تھا کہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور شام کو جَو کی روٹی سے افطار کرتے تھے۔ اس لئے کہ دنیا اُن کے دل میں نہ تھی۔ حدیث شریف کا مضمون ہے "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا" رحم و احسان، ایثار و کرم کیا جائے اور بے غرضی سے کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

کا قول ہے کہ میں نے اپنے تمام اعمال کا تجزیہ کیا۔ بہت غور و فکر سے کام لیا تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ دنیا میں بھوکوں کو کھانا کھلانے اور دنیا والوں سے حسن خلق کے ساتھ پیش آنے سے افضل و بہتر نہ کوئی نیکی ہے، نہ کوئی عمل۔ میرے ہاتھ میں دنیا کے خزانے ہوتے تو میں بھوکوں کو کھانا ہی کھلاتا رہتا۔

آپکی تمام تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق الٰہی میں سے کسی کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے۔ اور اللہ کی ہر مخلوق کی خدمت پورے ذوق و شوق کے ساتھ کی جائے۔

ایسے واقعات تو بہت سے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپکی ذاتِ گرامی غربا و ضعفاء کیلئے ماویٰ و ملجا تھی۔ لیکن یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جو عبرت پذیری کیلئے کافی ہے۔

ایکدفعہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ راستہ میں ایک جگہ قصبہ آحلہ کے قریب قیام کیا اور خادم سے فرمایا کہ جاکر تحقیق کرو کہ یہاں سب سے زیادہ شکستہ حال اور غریب شخص کون ہے۔ جب معلوم ہوگیا تو آپ اس شخص کے مکان پہ پہنچے دیکھا کہ ایک ٹوٹا مکان ہے اور اس مکان میں ایک گدڑی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اندر ایک بوڑھا اور ایک بڑھیا اور ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ آپنے ان کی اجازت سے اسی جگہ قیام کیا۔ حضرت کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری اور قیام کی خبر چھپی رہتی۔ قصبہ کے اُمراء و رؤساء آپ کی خدمت میں حاضر ہوے اور سب نے بہ منت استدعا کی کہ یہاں آپ کو بہت تکلیف ہوگی آپ ہمارے یہاں قیام فرمائیں مگر آپ نے کسی کی درخواست قبول نہ کی۔ بالآخر قصبہ کے امراء و مشائخ نے وہیں آپ کو نذریں پیش کرنی شروع کردیں۔ تھوڑی دیر میں بکریوں اونٹوں گھوڑوں، کپڑوں کی اور سونے چاندی کے انبار لگ گئے۔ جب آپنے دیکھا کہ اب اس قدر ساز و سامان جمع ہوگیا ہے جو اس گھر والوں کے لئے مدت العمر کافی ہوگا تو آپنے وہاں سے منتقل ہونے پر رضامندی ظاہر کی اور ساری دولت آپنے اس غریب شخص کے حوالے کردی۔ اسطرح ایک ہی رات میں قصبہ کے سب سے غریب شخص کو سب سے زیادہ مال دار بناکر صبح کو وہاں سے تشریف لے گئے۔

آج بھی مشائخ اور پیران طریقت ہیں، اُن کے مریدین میں امیر و غریب دونوں ہیں لیکن غور کرو، موجودہ دَور کے پیروں کا کیا حال ہے۔ اگر ان کا کوئی مرید غریب ہے، خواہ وہ کتنا ہی مخلص ہو لیکن اس کے یہاں قیام تو درکنار اُس کی طرف توجہ بھی ناگوارِ خاطر ہوتی ہے تو کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ علماء و مشائخ کا مقصود محض دنیا طلبی، و دنیا داری ہے۔ اپنی مشیخیت و پیری کی دکان سجانا ہے، تاکہ آمدنی میں کسی قسم کا زوال و نقصان نہ آنے پائے۔ اسلاف کا حال تو یہ تھا، کہ خود فاقہ کرکے دوسروں کو آسودہ کرنے میں خوشی و مسرت محسوس کرتے تھے اور آج اخلاف کا کیا حال ہے کہ اگر ان کی دکان سجی ہے آمدنی اچھی خاصی ہورہی ہے تو انہیں کسی کا کوئی غم نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسروں کو رنج و مصیبت ہی میں دیکھ کر اُن کو دلی مسرت ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ خیرخواہی رکھے، ایک دوسرے کی بھلائی چاہے۔ اسی مضمون کی اور بھی بکثرت حدیثیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی اوصاف وخصوصیات مثلاً رحم وکرم، حلم وعفو، سخاوت وسیرچشمی، خلوص وایثار، شفقت وہمدردی، عالی حوصلگی، وسیع القلبی، تواضع وانکساری، ورع و تقویٰ، امانت ودیانت، وعدہ وقول کی پابندی، سچائی و راستبازی، ان اوصاف کا تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور دین کے ذمہ داروں کیلئے ضروری ہے۔ اس کے برعکس حسب ذیل اوصاف ان کے اندر بالکل نہ ہونا چاہیئے۔ بخل، حسد، تنگ نظری، خود غرضی، مفاد پرستی، شقاوت، وسنگدلی، غیظ وغضب، فخر وغرور، مکر وفریب، کذب ودروغ، فسق وفجور، کیونکہ یہ تمام اوصاف منافی اسلام ہیں۔

اسلام نے حق وباطل کھرے کھوٹے کے پہچاننے کی کسوٹی ہمیں بتائی ہے اور وہ ہے عمل وکردار کی کسوٹی، تو اگر ہم اسلام کے فرائض وارکان، حقوق اللہ وحقوق العباد سے غافل ہوں اور ان کی ادائیگی کی طرف کوئی توجہ نہ کریں، اور اس پر مزید یہ کہ تمام اوصاف قبیحہ جو منافی اسلام ہیں وہ بھی ہمارے اندر موجود ہوں تو کیا صرف فاتحہ، عرس اور اسی طرح کی دیگر رسمیات کے ادا کردینے سے، اور دوسروں کو کافر کافر کہتے رہنے سے ہم مستحق نجات ہوجائینگے۔ اگر ہم ایسا سمجھتے ہیں تو یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی وخود فریبی ہے۔

اب غور کرو، موجودہ حالت میں جبکہ اسلام کے خلاف تمام ممالک مثلاً روس، امریکہ، چین اور دیگر قومیں یہود ونصاریٰ کفار ومشرکین سب صف آرا ہیں اور اسلام کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ کر پھینک دینا چاہتی ہیں، نصاب تعلیم وغیرہ سب ایسے رائج کئے جا رہے ہیں جس سے خود بخود اسلامی ذہنیت مشرکانہ سانچہ میں ڈھلتی چلی جائے۔ ایسے تیرہ وتاریک ماحول میں ہم نے خود اپنے گھر میں کفر وشرک کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اب ذرا غور کریں، اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ یہ دین اسلام کی خدمت ہے، یا اعدائے دین کا اسلام کی مدد واعانت، اپنے اس طرز عمل سے کہیں ایسا تو نہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت اذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون و لکن لا یعلمون۔ ہمارے حال پر صادق آتی ہو۔ کہ ہم جس کام کو اصلاح کا کام سمجھتے ہیں، وہ حقیقتاً افساد کا کام ہے۔ ان تمام فتنوں کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدی ہے۔ کہ ایسے ایسے فتنے پیدا ہوں گے کہ اس میں بڑے بڑے عاقل ومحتاط حیران ومتحیر رہینگے اور رہائی ومخلصی کی راہ انہیں نظر نہ آسکے گی۔

برخلاف اس کے اگر ہم اپنی اس باہمی رسہ کشی کو چھوڑ کر متحد ومنظم ہوتے، ہم سب کا ایک پلیٹ فارم اور ہم سب کی ایک آواز ہوتی تو آج کوئی تعجب نہیں کہ اعدائے دین کی کثرت کے باوجود حکومت وفرماں روائی مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتی۔ لیکن یہ بندۂ سیم وزر، حریص وطامع مسلمان قوم وامت کے مفاد کو پس پشت ڈال کر خود غرضی وذاتی مفاد پرستی کے پیچھے پڑ گیا۔ امت اسلامیہ پارہ پارہ ہوتی رہی۔ لیکن انہوں نے اپنے جاہ ومنصب، مال و

منفعت سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ (بات ذرا سخت ہے اور حق بات تو کڑوی ہی ہوتی ہے لیکن انصاف پسند و منصف مزاج شخص کے لئے اس کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے)۔

وعظ و تبلیغ جو بلا شبہ دین اسلام کا کام ہے۔ لیکن اگر انہیں کسی جگہ کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہاں ہمارے وعظ کا معاوضہ کچھ نہیں ملیگا تو آپ دیانتداری سے بتائیے کہ کیا ایسے مجلس وعظ میں وہ شرکت کرینگے؟ اور اگر بھول کر ایک مرتبہ شریک ہوگئے تو آئندہ شرکت سے کان پکڑینگے۔ کیا اسی کا نام خدمتِ اسلام ہے۔ یہ تو سوائے خدمت شکم کے اور کچھ بھی نہیں۔ بزرگان دین کے حال پر اپنے کو قیاس کرنا سخت دھوکہ اور فریب ہے۔ اول تو وہ نذرانے وصول کرنے کے لئے کہیں جاتے نہیں تھے بلکہ خود لوگ نذرانہ لاکر ان کے قدموں پہ نثار کرتے تھے اور وہ بالکل اس سے مستغنی تھے۔ دوسرے یہ کہ اس نذرانہ کا مصرف و مقصد خود اپنی تن آسانی و تن پروری نہیں تھی، بلکہ اسے وہ قوم ہی کے اغراض و مصالح میں صرف کرتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت محبوبِ الٰہی و حضرت محبوب سبحانی کے ایک ایک واقعہ سے اندازہ کیا۔ اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے حالات زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے شجرِ اسلام کی آبیاری برگ و بار آوری کے لئے تن من دھن سے ہر طرح قربانیاں پیش کی ہیں۔ خدمتِ اسلام کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔ تن تنہا کفار و اعدائے دین کے نرغہ میں گھر کر بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کا فرض ادا کیا ہے۔ جو لوگ آغوش اسلام میں داخل ہوئے ہیں، ان میں جو لوگ بے ذریعہ و بے سہارا تھے، ان کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری خود اپنے سر لی ہے۔ ان کا لنگر خانہ دوست و دشمن سب کے لئے عام و وسیع تھا، وہاں اسکی تخصیص نہیں تھی کہ جو نذرانہ پیش کرے وہ لنگر خانے میں شریک ہو، اور جو نذرانہ پیش نہ کرسکے اس کی طرف کوئی التفات نہ ہو۔ ذرا سوچئے تو ان دونوں نظریوں اور طریقۂ کار میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے، مشرق و مغرب کا فرق ہے لیکن پھر بھی ہم فریب نفس میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں بعینہ دین و اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا حال ان لوگوں کے مشابہ ہو جنکی خبر اس آیت میں دی گئی ہے۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کیا ہم ان لوگوں کی خبر تم کو دیں جو عمل کے لحاظ سے گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیوی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے صرف ہوی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے ایک ٹکڑے کا مفہوم پیش کرتا ہوں جس سے اس مقصد پہ کافی روشنی پڑتی ہے کہ زمانۂ مابعد کے علماء و مشائخ کا طریقہ عمل ہمارے لئے کچھ بھی حجت اور سند نہیں بلکہ جو طریقہ ان کا سنت کے مطابق ہے اسلامی احکام و قوانین کے اندر ہے وہی صحیح و درست ہے ورنہ غلط۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے،

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے بعد کسی دوسرے کے طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان صحابہ کے طریق کار کی پیروی کرے جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہیں جنکی وفات دین اسلام، علم اور عمل صالح پر ثابت ہو چکی ہے لیکن وہ صحابہ جو حضور علیہ السلام کے بعد بھی زندہ رہے، وہ فتنہ سے مامون و محفوظ نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے بعد مرتد ہو جائیں۔ تو اگر مرتد ہونے کے بعد اسلام بھی لائیں، تو شرف صحابیت باقی نہیں رہیگی اور جن کا طور و طریقہ ہمارے لئے قابل اتباع ہے، وہ صحابہ ہیں۔ تو جب صحابہ کی پیروی کے متعلق بھی ہمیں اسقدر تحقیق و احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے، اس اندیشہ کی بنا پر کہ نہ معلوم حضور علیہ السلام کے بعد انکی زندگی کس حال میں گذرتی ہے۔ حالانکہ وہ صحابی ہیں، اور زمانہ خیر القرون کا ہے، تو اب بتائیے کہ موجودہ زمانہ جو شر القرون کا ہے ہم آنکھ بند کر کے کس کس کے طریق کار اور طرز عمل پر اعتماد و بھروسہ کر سکتے ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کی جو مایۂ ناز ہستیاں ہیں جنکی عظمت و تقدس کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے اللہ کی کثیر مخلوق مسلم، غیر مسلم سب ہی ان کی زندگی میں بھی اور بعد وفات فیض پاتی رہی اور پا رہی ہے مثلاً حضرت خواجہ اجمیری، حضرت نظام الدین اولیأ دہلوی، سید سالار مسعود غازی، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات اقطاب پیلور قدس اللہ اسرارہم۔ ہم ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کو موجودہ پیران طریقت کی صف میں لاکر کھڑا کر دیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ یہ بڑی نا انصافی، اور بڑی احسان فراموشی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا وابتغوا الیہ الوسیلۃ یہ حضرات اللہ تک رسائی کے لئے وسیلہ و ذریعہ ہیں کہ ان کی توجہ و نگاہ کرم سے بآسانی بے خوف و خطر اللہ تک پہنچنے کا راستہ طے ہو جاتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، تھوڑی دیر انکی صحبت میں بیٹھنا ہزاروں برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ ان کی نگاہ کیمیا تاثیر وہ اثر کرتی ہے جو برسہا برس کی عبادت نہیں کر سکتی۔ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اولیاء کرام کے حالات زندگی کے مطالعہ سے اس کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

ہم ان حضرات کو کسی کام میں مستقل و مختار بالذات نہیں مانتے یہ تو صرف خدا کی شان ہے لیکن یہ کہتے ہیں کہ من کان للہ کان اللہ لہ، یہ اللہ کے ہو گئے ہیں، اللہ ان کا ہو گیا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں ان کو وہ تقرب و وجاہت حاصل ہے کہ جس کے لئے جو درخواست کریں، جو سفارش کریں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف و کرم سے رد، و نامنظور نہیں کرتا، اس وجہ سے کہ اللہ کو ان کی دل شکنی منظور نہیں، کیونکہ اللہ کی تائید و اعانت ہر وقت ان کے ساتھ ہے لیکن حقیقی حاکم و متصرف صرف اللہ ہے۔ یہ حضرات اپنی درخواست و سفارش منظور کرا لیتے ہیں۔ اگر بعض دفعہ یہ حضرات کسی کو اپنی طرف سے مال یا اولاد وغیرہ ملنے کا وعدہ کر دیں تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انہیں اللہ کی رحمت پر ناز، اسکے فضل و کرم سے قوی امید اور پورا اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے قول اور وعدہ کے مطابق ویسا ہی عطا کر دیتا ہے۔

یہ عقیدہ کوئی خلاف اسلام نہیں بلکہ عین اسلام کے مطابق ہے۔

اُن حضرات کو یہ جو کچھ مرتبہ ملا، حضور علیہ السلام کی سچی غلامی محبت اور فرماں برداری کی بدولت ملا۔ صحابۂ کرام کو بھی، جو مرتبہ ملا وہ حضور علیہ السلام کی سچی محبت جان نثاری و فدویت کی بدولت ملا۔ تو وہ حضرات جنہوں نے حضور علیہ السلام کی مرضی کے مطابق اپنا جان و مال سب کچھ قربان کیا۔ ساری زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اور اس راہ میں ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے۔ ان کو ماننا اور ان کے مرتبہ کو پہچاننا ہمارے ایمان کی علامت ہے۔ یہ حضور علیہ السلام سے کیسی محبّت ہے کہ آپ کو مانیں اور آپ پر فدا ہونے والوں کو نہ مانیں، بلکہ درحقیقت دوست کا دوست بھی دوست ہوا کرتا ہے۔

حضرات اولیاء اللہ کو بتوں پہ قیاس کرنا بڑی غلطی ہے، اولیاء اللہ کی تعریف قرآن کریم میں آئی ہے۔ حدیث میں آئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا کی طاقت ان کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ خدائی طاقت سے کام کرتے ہیں اور بتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ ان کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ ان کو مجبور محض کہا گیا ہے۔ کہ وہ مکھی کو بھی اپنے سے دفع نہیں کر سکتے۔ وہ دوسروں کی مدد کیا کریں گے۔ دونوں کو ایک درجہ میں سمجھنا دراصل خدا کی قدرت کا انکار ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جن کی تعریف و توصیف خود بیان کرتا ہے ان کے فضائل و کمالات اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے، پھر ان کو ایسا مجبور محض سمجھنا اس کے سوا اور کیا معنی رکھتا ہے کہ ہمیں اللہ کی قدرت پہ یا اس کے کلام پہ ایمان نہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ لیکن اس کے باوجود پھر بھی ان کے درمیان فرق مراتب ہے۔ پہلے پیغمبر کا درجہ ہے، پھر صحابی کا، پھر تابعی کا، پھر دیگر اولیاء اللہ کا، ان میں بھی مختلف درجے ہیں۔ سب اولیاء کے سردار حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اولیاء اللہ حضور علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہیں کہ ان میں سے حضور علیہ السلام کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام کے معجزات سے رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ حضرات میدان محشر میں اپنے اپنے متعلقین و متوسلین کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت بھی کریں گے، ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ سب سے پہلے شفاعت کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے ہوگی پھر درجہ بدرجہ دیگر اولیاء اللہ، علماء، شہداء، صلحاء حتیٰ کہ نابالغ بچہ بھی اپنے والدین کے لئے سفارش کریگا۔ اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔ حضور علیہ السلام کی شفاعت کی مختلف صورتیں ہیں۔ آخر میں جو مومنین اپنے فسق و معصیت کی سزا جہنم میں کاٹ رہے ہوں گے ان کی بھی آپ بخشش کرائینگے۔ حدیث شفاعت حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن یہ کہ کوئی شخص ایمان ہی نہ لائے اور حضور علیہ السلام اس کی شفاعت کر کے جنت میں بھیج دیں ایسا نہیں ہوگا۔ آپ بھی وہی کرینگے جس میں اللہ کی مرضی ہوگی۔ جو بات اللہ کی مرضی کے خلاف ہوگی اسے آپ نہیں کرینگے۔ آپ کی شفاعت و سفارش سے بخشش و مغفرت صرف آپ کی گنہگار امت کیلئے ہوگی۔ لیکن ایسے وقت میں کہ جب ہر ایک کی زبان پہ نفسی نفسی ہوگا کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی ایسے نازک وقت میں آپ کا شفاعت کے لئے

آمادہ ہونا اور اللہ سے اذن حاصل کرنا اس سے اللہ کی بارگاہ میں آپ کی رفعت وعظمت کا پتہ چلتا ہے اور اس مسئلہ شفاعت سے آپ کے مرتبہ اور درجہ کا اظہار ہی مقصود ہے، گویا اللہ کی حکومت میں حضور علیہ السلام کا درجہ وزیر اعظم کا ہے اور پھر درجہ بدرجہ دیگر حضرات ہیں۔

اب لکھتے لکھتے قلم تھک گیا ہے، غالباً پڑھتے پڑھتے آپ بھی تھک جائینگے۔ اب یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ انہیں اشارات سے آپ ہر بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

آخر میں مخدوم صاحب کے شادی نہ کرنے کے مسئلے پر بھی ایک اجمالی روشنی اپنی سمجھ کے مطابق ڈال دوں۔ اس مسئلے میں مجھے خود بھی تشویش تھی۔ لیکن آپ کے لکھنے پر جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ پیش ہے۔

مخدوم صاحب کی ولایت کا مسئلہ بھی متفق علیہ ہے جسکو عرب عجم کے علماء ومشائخ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی شان میں کوئی غیر مناسب کلمہ استعمال کرنا اپنی محرومی القسمتی سمجھتے ہیں، اس لئے ہم کہینگے کہ یہ ایک رمز ہے جسکے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے" ولی را ولی می شناسد"۔ ہر ایک کا کام نہیں کہ ولی کو پہچان سکے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ رحمت الٰہی کی دلھن ہیں۔ جہاں تک سوا اس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں۔ شیخ ابو العباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے لیکن ولی کی پہچان مشکل، لیکن اگر اس جواب سے آپ کی تسلی نہ ہو اور آپ کو مخدوم صاحب کی ذات گرامی میں اتباع شریعت کے سلسلے میں یہ نقص نظر ہی آئے تو ہم کہیں گے کہ یہ نقص اور عیب مخدوم صاحب کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ درجہ بدرجہ اور سلسلہ بہ سلسلہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ دہلوی اور پھر حضرت خواجہ اجمیریؒ اور پھر حضرت محبوب سبحانیؒ، اور پھر آپ سے گذر کر سلسلہ بہ سلسلہ حضرت مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مخدوم صاحب نے خلاف شرع فعل خود اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اپنے شیخ ومرشد حضرت خواجہ علاؤالدین پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی پاکر کیا۔ تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے ایک خلاف شرع امر پہ رضامندی کا اظہار کیسے کیا اور حضرت خواجہ علاؤالدین پنڈوی کا سلسلہ غالباً دو ایک واسطہ سے حضرت محبوب الٰہیؒ تک پہنچتا ہے۔ بہر حال ان کے درمیان جو بھی واسطے ہیں سب پر یہ الزام وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے ناقص اور خامکار کو اپنا خلیفہ وجانشین کیسے بنایا، اور پھر اسی سلسلے کی کوئی بھی کڑی اس الزام سے بچ نہیں سکتی۔ اور آخر میں حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے خود حضور علیہ السلام تک بات پہنچتی ہے۔ تو اب آپ بتائیے کہ آپ کس کس پر اعتراض کرینگے۔ اس لئے آسان راہ یہی ہے کہ اس کو ایک رمز سمجھا جائے، جو ہماری عقل سے بالا ہے۔ آخر قرآن کریم میں حروف مقطعات بھی تو ہیں۔ ان کا بھی کچھ مطلب ہے لیکن ہم کچھ نہیں سمجھتے۔

لیکن اس رمز کو اگر آپ سمجھنا چاہیں تو جہاں تک میری عقل نے کام کیا ہے یہ ہے کہ یہ مسئلہ عالم روحانیت میں طے کر لیا گیا ہو یعنی حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں حضور علیہ السلام سے اجازت حاصل کر لی ہو اور شارع علیہ السلام نے نکاح کے عام حکم سے حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کو مستثنیٰ کر دیا ہو جیسا کہ محبوب سبحانی رح

نے عالم روحانیت میں حضور علیہ السلام کی مرضی اور سفارش سے امام احمد بن حنبل کی تقلید کی ورنہ آپ کا رجحان امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا۔ لیکن یہ عقلی احتمال مخدوم صاحب کے متعلق کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس لئے ہم کسی کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے لیکن اس پہلی اعتراض و الزام والی صورت سے یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔ اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ استحالہ۔ اس قسم کی نظیریں کتب احادیث میں موجود ہیں کہ بعض احکام سے آپ نے بعض افراد کو مستثنیٰ کر دیا۔ آخر یہ شعر حافظ شیرازی رح کا آپ نے بھی سنا ہے ؎

به مے سجاده رنگیں کن، گرت پیر مغاں گوید
که سالک بے خبر نبود ز راه و رسم منزلہا

کہ اگر مرشد کامل حکم دے کہ اپنی جانماز شراب سے تر کر دو تو اس کے حکم کی تعمیل کر دو۔ اس لئے کہ مرشد کامل راستہ کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے، بے خبر نہیں ہوتا۔

مخدوم صاحب اپنے شیخ کو مرشد کامل سمجھتے تھے، چنانچہ ان کے حکم کو آپ نے اسی طرح نباہا۔ اب ساری ذمہ داری شیخ پہ ہے۔ مخدوم صاحب پر کوئی الزام نہیں آتا۔

علماء اور فتویٰ کے متعلق آپ نے پوچھا ہے۔ اگرچہ ان امور کے متعلق میری پچھلی تحریروں سے بخوبی یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ صرف عالم یا مفتی کا نام سنتے ہی سے ہمیں اپنی جبین عقیدت خم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ علماء میں ہمیشہ ہر دور میں دو جماعتیں رہی ہیں۔ ایک علماء سوء۔ دوسرے علماء حق۔ لیکن علماء حق کے مقابلے میں علماء سوء کی کثرت ہر زمانہ میں رہی ہے اور قوم کو یا مذہب کو جو کچھ بھی نقصان پہنچا وہ علماء سوء ہی کی بدولت، علماء سوء وہ ہیں جن کے قول و عمل میں کوئی مطابقت نہ ہو اور تمام اخلاق رذیلہ جنکا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اس کے جامع ہوں یا مختصراً یوں سمجھیئے کہ جن کا مقصد صرف شکم پروری ہو۔

اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ علماء سوء، جو بندگان سیم و زر تھے انہوں نے کس طرح حق کے خلاف صرف اپنے مفاد کے لئے صف آرائی کی۔ مثال کے طور پر امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں یزید، ابن زیاد، عمرو سعد، و دیگر باشندگان کوفہ معمولی پڑھے لکھے لوگ نہ تھے، بلکہ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرتے تھے اور مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے خطیب تھے۔ فقیہہ و مفسر تھے۔ لیکن آخر دیکھیئے دنیا کی حرص و طمع نے انہیں ایسی حرکت پر آمادہ کر دیا جس پہ دنیا قیامت تک لعنت بھیجتی رہے گی۔

اکبر بادشاہ نے جب نیا دین ایجاد کیا تو اسکی تائید و ہمنوائی کرنے والے درباری علماء سوء ہی تھے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی نے سب کے خلاف آواز اٹھائی۔ انگریزی دور حکومت میں علماء ہی انگریزوں کے آلۂ کار تھے۔ سب سے پہلے صرف مولانا فضل حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن دیگر علماء سب ابن الوقت تھے۔ مفاد پرست تھے۔ اسی طرح خلفاء و سلاطین کے ہر دور میں آپ کو ایسی مثالیں نظر آئینگی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فتویٰ غلط ہے یا قرآن و احادیث سے نکالا ہوا مسئلہ غلط ہے، وہ سب اپنی جگہ پہ حق و مسلم ہے لیکن راہ حق اختیار کرنے میں مشکلات کے پہاڑ ہیں۔ مصائب کے طوفان ہیں۔ جنت انہیں مشکلات و مصائب

کے سایہ میں ہے۔ اس لئے اب بتائیے کہ جس کا مقصد تن آسانی وتن پروری ہے، وہ کیسے ان مصائب ومشکلات کے لئے آمادہ ہوسکتا ہے، جب آسانی کے ساتھ اس کا مقصد حاصل ہو رہا ہے تو اپنے کو خطرے میں کیوں ڈالے۔ علماء کی اکثریت ہر دَور میں ایسی ہی رہی ہے ورنہ اگر علماء کی اکثریت صالح ہوتی تو یہ دنیا جنت کا نمونہ ہوتی۔ رحمت وبرکت کا خزینہ ہوتی۔

پھر میں آخر میں اپنی پہلی بات کا اعادہ کررہا ہوں، تاکہ حقیقت پوری طرح ذہن نشین ہوجائے، کہ حق وناحق کے پہچاننے کی کسوٹی اور معیار صرف کردار وعمل ہے۔ گفتار کا غازی بن جانے سے کوئی کام نہیں چلتا۔

" آپ اس تحریر کو غور سے پڑھئے۔ جس بات میں تشویش یا خلجان ہو اس کو ٹھنڈے دل سے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے دل وضمیر سے فیصلہ لیجئے۔ انشاء اللہ آپ کو اس تحریر کی صداقت میں شک نہیں رہیگا۔

میں نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود آپ کی ذہنی الجھن کا خیال کرتے ہوئے جلد از جلد اس خط کو مکمل کرکے بھیجنا ضروری سمجھا۔ خدا کرے اس سے آپ کی تسکین کا سامان ہوجائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول حق کی توفیق عطا کرے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

سید حمید اشرف غفرلہ

بقیہ صفحہ ۳۵ اور انسانی کو چھوڑ دیا۔ تو دین اسپر غالب آجاتا ہے اور وہ یا تو بالکل عاجز ہوجاتا ہے یا چھوڑ دیتا ہے۔ جب کبھی اس قسم کا کوئی متشدد آدمی قوم وملت کی راہ بر اور رئیس وسردار بن جاتا ہے تو عام لوگ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ جو کچھ یہ کرتا ہے وہ شارع ہی کا حکم ہے اور شارع کی رضامندی اور خوشنودی اسی میں ہے اور درحقیقت یہود اور نصاریٰ کے رہبان ومشائخ کا یہ قدیم ترین مرض ہے۔

تحریف دین کے اسباب سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایک شخص دیکھتا ہے کہ ہر حکم شرعی کے لئے شارع نے کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت اور مناسب محل وموقع قرار دیا ہے اور اسی پر حکم شرعی کی بنیاد قائم کی ہے تو اس سے یہ شخص بھی تشریع اور احکام کے کچھ ایسے اسرار وحکم اخذ کرلیتا ہے جن پر احکام شرعیہ کی بنیاد قائم کرکے پھر وہ اپنی عقل وسمجھ کے موافق ان مصلحتوں کو لوگوں کے لئے ایک حکم شرعی قرار دیتا ہے۔ مثلاً یہود نے دیکھا کہ شارع نے حدود وتعزیرات کا حکم اور تقرر زجر وتوبیخ اور معاصی سے احتراز واصلاح کی غرض سے کیا ہے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ رجم کے حکم سے بہت کچھ اختلاف اور باہمی قتل وقتال وخوں ریزی ہوجایا کرتی ہے اور سخت ترین فساد اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو انہوں نے بجائے رجم کے منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا مستحسن اور مناسب سمجھا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صاف صاف فرمادیا کہ یہ حکم الٰہی کی صریح اور صاف تحریف ہے۔ تورات کے صریح اور منصوص حکم کو رائے اور قیاس کے مقابلہ میں ٹھکرادیا گیا ہے اور رائے وقیاس کے متعلق حضرت ابن سیرین کا قول ہے سب سے پہلے جس نے قیاس سے کام لیا وہ ابلیس تھا۔ آفتاب ومہتاب کی عبادت وپرستش بھی قیاس ہی کی بنا پر کی گئی اور حضرت حسن رضؓ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی

تحریف سے دین کا تحفظ اور اصلاح دین کے ذرائع

از مولانا عبدالواحد صاحب جونپوری مدرس دار العلوم لطیفیہ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ اما بعد فیقول العبد المفتقر الی اللہ الغنی المتوسل الی الرسول الامی صلی اللہ علیہ وسلم

نظرت بحسن جمالہ الابصار فاحت بذکر جمیلہ الاثمار
وبذکائہ یستوقد الانوار ولہ علی کل المدیح خیار
تغنی بصارمہ اصارم العدیٰ وانت لہ الاشرار والاخیار
ویسیل بحراً ذاخراً بعطائہ
وبجودہ الحاجات والاوطار

جو صاحب سیاست کبریٰ اللہ کی جانب سے ایک ایسا زبردست دین لیکر آیا ہو جو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کا ناسخ ہو۔ اس کے لئے ضروری اور لابدی ہے کہ وہ اپنے دین کو اسطرح مستحکم اور مضبوط کر دے کہ اس کے اندر کبھی تحریف کا گذر ہی نہ ہو سکے اور ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ مختلف بے شمار قوموں اور جماعتوں اور مختلف استعداد و قابلیت کے لوگوں اور مختلف اغراض کے لوگوں کو اپنے دین میں لانا اور جمع کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے بسا اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کی خواہشات یا انکے سابقہ دین و مذاہب کی محبت یا ان کی فہم ناقص ان کو اسطرف لیجا سکتی ہے۔ جس پر وہ پہلے تھے اور کسی معمولی شئی کو وہ بہت بڑی حقیقت کی چیز سمجھ سکتے ہیں اور ایسا سمجھ لینے سے بے شمار مصلحتیں ان سے فوت ہو جاتی ہیں۔ مذکورہ وجوہ کی بنا پر لوگ مذہب و ملت کے اصلی نصوص کو چھوڑ دیتے ہیں' یا دین و ملت میں ایسی چیز داخل کر لیتے ہیں جو اس میں نہیں ہوا کرتی۔ اور اس لئے دین و ملت کے اندر اختلال اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ اسلام سے پیشتر تمام ادیان و مذاہب کا حال ہوا اور چونکہ خلل اندازی کے رخنے غیر محدود اور بے شمار ہوتے ہیں جن کی تعیین دشوار ہے اور اس لئے ان کا استقصاء اور احاطہ بھی دشوار ہے۔ لیکن اس قاعدہ کے مطابق کہ مالا یدرک کلہ' لایترک کلہ: جو امر کل کا کل گرفت میں نہ آسکے تو کل کا کل چھوڑا بھی نہیں جا سکتا اس لئے واجب اور ضروری ہوا کہ یہ صاحب سیاست کبریٰ اجمالی طور پر اسباب تحریف سے لوگوں کو پوری طور سے متنبہ اور باخبر کر دے اور انہیں ڈرائے اور ایسے مسائل کو مخصوص طور پر ان کے سامنے پیش کر دے' جو اسے بطور ظن و تخمین معلوم ہوئے ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے امور میں تعاون سستی' بے پروائی اور اسی قسم کی تحریف بنی آدم کے اندر ایک قدیم اور پرانا مرض ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے فساد کے دروازے اور سوراخ پوری قوت سے

بند کردئے جائیں۔

اور ان کی مشہور و معروف اشیاء میں ایسے امور مشروع کر دی جائیں جو ان کے ملل فاسدہ کے مالوفات کے خلاف ہوں جیسا کہ نماز۔ کہ ان کے اندر بھی نماز موجود تھی لیکن شریعت اسلامیہ نے بہت سے امور اس کے اندر ان کی مالوفات کے خلاف مشروع کر دئے

تحریف دین کے اسباب میں سے ایک سبب تھاون سستی اور بے پروائی بھی ہے۔ تھاون اور سستی کی حقیقت یہ ہے، نبی اور پیغمبر کے حواریوں اور اصحاب کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں، جو نماز چھوڑ دیتے ہیں اور شہوات اور خواہشات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور تعلیم و تعلم اور عمل کے ذرائع دین و ملت کی اشاعت و تبلیغ کا چنداں اہتمام نہیں کرتے۔ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں اور اس لئے دین و ملت کے خلاف بہت جلد ان میں بہت سی رسوم داخل و سرایت کر جاتی ہیں اور عموماً طبائع کا رجحان اور میلان شرائع الٰہیہ کے خلاف ہو جاتا ہے۔ پھر جب ان کے بعد دوسرے لوگ آتے ہیں تو وہ سستی اور تھاون اور بے پروائی میں ان سے بھی زیادہ تیز رو ہوتے ہیں۔ پھر تھاون اور بے پروائی اس قدر عام ہو جاتی ہے کہ علم دین کا بڑا اور اہم حصہ یکسر بھلا دیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب سرداران ملت اور امت کے بڑے تھاون اور سستی کے شکار ہو جاتے ہیں تو یہ چیز قوم و ملت کے حق میں نہایت مضرت رساں اور موجب فساد دین جاتی ہے اور یہ ہی وہ سبب تھا کہ جس سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کی ملتیں ضائع اور برباد ہو گئیں، شدہ شدہ ان ملتوں کی یہ حالت ہو گئی کہ اصل اور حقیقی دین و ملت کا جاننے والا بھی کوئی ان میں نہیں ملتا تھا۔

اور اس تھاون اور بے پروائی کا مبدأ چند امور ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ صاحب ملت کی روایات اور ان پر عمل پوری توجہ سے محفوظ نہ کیا جائے اور یہ ہی معنی ہیں آنحضرت ؐ کے اس ارشاد کے:- الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه - وان ما حرم رسول الله کما حرم الله (ترجمہ حدیث) ہشیار رہنا اس کا خوف ہے کہ بعض آدمی اپنی مسند پر سیری و بے فکری سے بیٹھ کر لوگوں سے یوں کہینگے۔ تم صرف اس قرآن ہی کو مضبوطی سے تھامے رہو، جو چیز اس قرآن میں تم حلال پاؤ اُسے حلال سمجھو۔ اور جو چیز حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو۔ لیکن اللہ کے رسولؐ نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسے اللہ نے حرام کی ہیں۔

اور اسی معنی میں آپ کا یہ ارشاد ہے:-

حدیث: ان الله لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا

ترجمہ حدیث اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم نہ چھینے گا بلکہ علم کو اس طرح اٹھائیگا کہ علماء اٹھا لئے جائینگے، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہ رہ جائیگا۔ اور پھر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ یہ جاہل سردار بغیر علم کے ان کو فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے"۔

تعاون کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے :- کہ اغراض فاسدہ لوگوں کو غلط اور باطل تاویل پر آمادہ کر دیتی ہے مثلاً سلاطین اور ملوک اپنی خواہشات میں لوگوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لوگ ان کی رضامندی کے لئے غلط تاویلیں کر دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

آیتہ ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمناً قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار۔ جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو جو اللہ کی جانب سے اتارے گئے ہیں چھپاتے ہیں اور اسکے عوض کچھ تھوڑی بہت قیمت لیتے ہیں ایسے لوگ اپنے شکموں میں آگ بھرتے ہیں۔

تعاون کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ منکرات اور ناجائز امور عام طور پر پھیل جاتے ہیں اور علمائے دین نہی عن المنکر کو بالکل ترک کر دیتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ آیتہ :-

فلولا کان من القرون من قبلکم اولو بقیۃ ینھون من الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منھم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ وکانوا مجرمین ۔ ترجمہ آیتہ' جو امتیں کہ تم سے پہلے گذری ہیں ان میں مخلوق کی اتنی خیر خواہی کرنے والے کیوں نہ ہوے کہ لوگوں کو زمین کے اندر فساد کرنے سے روکتے اگر ایسے لوگ تھے بھی تو تھوڑے' اور یہ وہی لوگ تھے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ تو ان ہی دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑ گئے۔

جو ان لوگوں کو دی گئی تھی اور یہ لوگ کچھ تھے ہی بدکردار۔۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

حدیث لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم و احکوھم وشاربوھم فضرب اللہ بعضھم ببعض ولعنھم علیٰ لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون۔

(ترجمہ) جب بنی اسرائیل پہلے پہل گناہ اور معاصی میں مبتلا ہو گئے، تو ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار یہ علماء پھر ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ' اور ہم مشرب بن گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو باہم دست وگریبان کر دیا اور پھر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبان سے ان پر لعنت بھجوائی اور یہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ہوا کیونکہ وہ حد سے بڑھ گئے تھے۔

تحریف دین کے اسباب میں سے ایک تشدد بھی ہے۔ تشدد کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشاق اور سخت ترین عبادتیں اختیار کی جائیں جن کا شارع علیہ السلام نے ارشاد نہیں فرمایا۔ مثلاً ہمیشہ روزے رکھے جائیں، رات بھر نمازیں ادا کی جائیں۔ دنیا سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی جائے۔ شادی اور نکاح سے گریز کر لیا جائے۔ اور مثلاً یہ کہ سنن و مستحبات کا فرض و واجب کی طرح التزام کر لیا جائے وغیرہ۔

چنانچہ اس بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عثمان بن مظعون نے جب عبادتِ شاقہ کا ارادہ فرمایا تو حضورؐ نے ان کو منع فرما دیا۔ نیز آپ کا ارشاد ہے من یشاد الدین احد الا غلبہ یعنی دین کے بارے میں جس نے تشدد برتا اور اپنی طاقت سے زیادہ عبادت میں غلو کیا اور نرمی اور

گوہر ہائے نور

از
محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

حضرت شاہ نور قطب عالم پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ جو بنگال کے اولیائے کبار سے ہیں اور قطب وقت گزرے ہیں، آپ نے اپنے والد حضرت شاہ علاؤ الحق والدین گنج نبات اسعد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو زبردست علماء اولیاء بنگال سے ہیں اور حضرت شاہ اخی سراج اودھی آئینہ ہند رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء سے ہیں۔ ان کے زیر سایہ رہ کر علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی اور والد بزرگوار ہی کے دست حق پرست پر بیعت کر کے منازل سلوک طے کیا اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

آپ حضرت مخدوم سید سلطان اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور پیر بھائی ہیں۔ آپ کا مزار مالدہ شہر سے مغرب وشمال کی جانب چند میل کے فاصلہ پر پنڈوہ ایک مقام ہے وہیں مرجع خاص وعام ہے۔ پوری زندگی آپ کی خدمت دین حق میں گذری اور اسوۂ حسنۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا لائحۂ عمل رہا۔ تا زلیست اس سے سر مو فرق نہ ہونے دیا۔ عشق الٰہی کا غلبہ آپ پر بہت زیادہ تھا۔ جو ہمہ وقت آپ کے گفتار وکردار اور دلالۃ حال سے مترشح ہوتا رہتا تھا۔ آپ کے ارشادات سے چند باتیں جو طالبین حق کے لئے تریاق ہے، افادۂ ناظرین اللطیف کی غرض سے پیش کی جا رہی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کی مثال ایک بہتے پانی کی ہے جس میں لطافت و پاکیزگی اور عدم سکون وآرام ہوتا ہے۔ وہ ایک دریا ہے جو اپنے اندر سے تمام ناپاکیوں کو نکال کر اپنے کو گوہر انوار واسرار کا معدن بناتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے اور مخلوق کی جانب میلان قلب کو سخت جرم تصور کرتا ہے۔ وہ غیر اللہ میں مشغول ہونا بہت بڑی سزا جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم کسی سے سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے مدد چاہو۔

فقر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقر میں تین حروف ہیں۔ اور ہر حرف تین معانی کی جانب مشیر ہے۔ جبتک وہ تمام کسی میں جمع ہو جائیں وہ ہرگز فقیر کہلانے کا مستحق نہیں۔

فاء۔ اس کے ایک معنی فاقہ۔ دوسرے غیر اللہ سے فرار (قلب کو غیر اللہ کے خیال سے بالکل دور رکھنا) تیسرے اپنے آپ سے فناء ہو جانا (یعنی اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں فناء کر دے)

قاف کے ایک معنی قناعت ہیں (جو چیز اللہ نے دی ہے اس کو کافی جانے اور زیادہ کی ہوس نہ کرے) دوسرے قہر نفس (یعنی نفس امارہ کو آزاد نہ چھوڑ دے، بلکہ اس کو شریعت کی زنجیر میں مقید رکھے) تیسرے قطع علائق (یعنی ہر ایسی صحبتوں سے دور رہے جو اللہ سے غافل کر دینے والی ہو اور اسکی ہلاکت کا سبب بنے)

راء اول معنی رضاء بقضاء حق عز شانہ (یعنی تقدیر الٰہی پر جان ودل سے راضی ہو اور ہر آرام وتکلیف کو قضائے الٰہی جانے اس میں بالکل کبیدہ خاطر نہ ہو) دوسرے معنی رجاء حق تعالیٰ سے

اور قطع رجاء غیر اللہ سے ہرگز کسی چیز کی اُمید نہ رکھے (یعنی اپنی ساری امیدیں صرف اللہ سے وابستہ رکھے کہ یہ اسکی ہلاکت کا سبب ہے)، تیسرے اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہونا (یعنی دنیا کی تمام چیزوں اور دنیا والوں سے بلکہ ہر ما سوی اللہ سے خواہ وہ دنیا کی شئی ہو یا آخرت کی ہو ان سے اپنا رُخ موڑ لے اور صرف اللہ کی ذات کو اپنا مقصود کل بنائے)۔

جو بزرگوں نے فرمایا کہ جس کی آرزوؤں اور اُمیدوں میں پراگندگی و انتشار پیدا ہوا تو اللہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ کہ اسکو کسی وادی میں ہلاک کردے (یعنی انسان اگر اللہ کے سوا کسی اور چیز میں اپنے کو مشغول کردے اور اسی کی آرزو میں رہے جو اس کو اللہ سے دور کرنے والی آخرت سے غافل کردینے والی ہے تو اس کو لازم ہے کہ ان مہلکات سے بچے اس لئے کہ ہو سکتا ہے ایسے وقت میں موت آجائے کہ وہ غیر اللہ میں مشغول تھا' یقیناً اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا) سچ فرمایا ہے کسی بزرگ نے کہ ؎

یکدل و صد آرزو بس مشکل ست
یک مراد بس بود چوں یکدل ست

یعنی ایک دل اور اس میں سیکڑوں آرزوئیں بہت ہی دشوار اور مشکل ہے۔ جب تیرے پاس ایک دل ہے تو اس کیلئے صرف ایک آرزو کافی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ علامۃُ الاعراضِ عنِ اللہِ تعالیٰ اِشتغالُ العبدِ بما لا یغنیہ یعنی بندے کا اللہ سے روگردانی کی علامت یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول ہو جو اللہ سے غافل کردینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر روز اپنے بندے کو آواز دیتا ہے کہ اے ابن آدم میں تمہارا ید لازم ہوں۔ (مددگار و محافظ و پناہ) پس اپنے ید کو لازم پکڑو۔ اور میں تمکو ہر شئی سے کفایت کرنے والا ہوں اور کوئی شئی تم کو مجھ سے ہرگز کفایت نہیں کرسکتی ہے۔

افسوس ہے اس انسان پر جو ما سوی اللہ کے ساتھ اپنی امیدوں کو وابستہ کرکے اللہ سے اپنا رشتہ توڑتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کسی بھی انسان کی عمر کا کوئی بھی حصہ ایسی چیزوں سے گذرتا ہے جس کیلئے وہ پیدا نہیں کیا گیا تو یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اسکی حسرت و ندامت میں زیادتی و کثرت ہو۔ اِلٰھی خلِّصنا عنِ الاشتغالِ بالملاھی وارِنا حقائقَ الاشیاءِ کما ھی

حالات مولانا ابو صالح سید شاہ احمد قادری رح المشہور بہ سرکار

(از ادارہ)

مولانا ابو صالح سید شاہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ابن مولانا سید شاہ مصطفےٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار عرس ورنگل جن کا پدری سلسلۂ نسب حسنی ہے اور مادری سلسلۂ نسب حسینی ہے۔ یعنی آپ کی ذات نجیب الطرفین سے ہیں۔ آپ امام العارفین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، کی اولاد سے اٹھارویں پشت میں واقع ہیں۔ آپ ۲۹ صفر المظفر سنہ ۱۳۲۴ھ بروز چہارشنبہ اپنے ناناہیال بمقام حضرت مکان ویلور میں پیدا ہوئے۔

حلیہ جسم بھاری، گندمی رنگ، داڑھی متوسط خشخشی، چہرہ پُر گوشت بارعب منہ مکھ اور پیشانی بلند تھی۔

تعلیم و تربیت آپ کی ابتدائی تعلیم خانگی ہے۔ اس کے بعد مدرسۂ اسلامیہ ورنگل میں داخل ہوئے اور قابل اساتذہ سے تحصیل علم کرتے رہے، پھر آخر میں گھر ہی پر قابل علماء سے استفادہ کیا، اور جب کبھی حضرت مکان ویلور تشریف لاتے تو مولانا محی الدین حسین جیدہ رح اور مولانا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی سے استفادۂ علم فرماتے رہتے۔ ہر حیثیت سے آپ کو علمی ماحول ملا یعنی اپنا گھرانہ ذی علم و تصوف اور ناناہیال حضرت مکان ویلور بھی ذی علم و تصوف ملا، جو ذوقِ علمی کی ترقی کا باعث بنا رہا۔ مطالعۂ کتب ہمیشہ جاری رکھتے فطری طور پر آپ کو تصوف سے زیادہ لگاؤ رہا۔ لہٰذا زیادہ تر تصوف کی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہیں لیکن فقہ، تفسیر، حدیث سے بھی کلی طور پر علیحدہ نہ رہے۔ اس ذوق مطالعہ نے آپ کو ایک کتبخانہ کی تشکیل کے لئے برانگیختہ کیا، چنانچہ بہت کچھ کتابیں آپ کے گھر میں موجود تھیں، اور جو نہ تھیں اس کو خرید کر جمع کیا اور تصوف کے بعض وہ نایاب نسخے جن کا میسر ہونا دشوار ہوتا اور اتفاق سے کہیں مل جاتا فوراً نقل کر لیتے۔ بزرگان مکان حضرت قطب ویلور کی وہ بہت سی کتابیں جو ہنوز شائع نہیں ہوئی ہیں نقل کیا۔ اس طرح آپ کو ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی بہت دنوں سے تلاش تھی اُسے آپ نے مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری مدرس دارالعلوم لطیفیہ سے منگوایا اور بہت ہی انہماک سے اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ فقہ اور تاریخ میں بھی بہت کچھ دخل تھا اور ایک متوسط معلومات کے مالک تھے۔ جب کبھی ویلور آتے تو اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے۔

نیز آپ گھوڑا سواری، بندوق و رائفل یا تلوار وغیرہ چلانے میں بہت زیادہ مشاق تھے اور اچھے خاصے تیراک بھی۔

بیعت و خلافت اس خاندان کی اور بہت سی خصوصیتوں میں سے یہ ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے کہ شروع ہی سے باپ سے بیٹے کو بیعت و خلافت حاصل ہوتی رہی ہے۔ ابھی ذکر کیا

جا چکا ہے کہ صوفیانہ گھرانہ ہونے کی وجہ سے بچپنے ہی سے تصوف سے ایک خاص لگاؤ رہا اور پھر مولانا سید شاہ مصطفےٰ قادریؒ جیسے قابل باپ کی صحبت ملی۔ ان کے زیر سایہ تربیت ہوتی رہی اپنے والد ہی کے دستِ اقدس پہ بیعت کر کے اوراد و وظائف خاندانی کے ماسوا تعلیم سلوک بھی انہیں سے لیتے رہے اور انہیں کے زیر سایہ معاملات سلوک طے کرتے رہے۔ جب پوری صلاحیت ان چیزوں کی آپ کے اندر آ گئی تو آپ کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی سید قادر محی الدین صاحب کو بھی خلافت سے نوازا۔

والد کے وصال کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے تو آپ سے بھی اسی طرح فیض کا سلسلہ جاری ہوا جسطرح آپ کے والد ایک عالم کو فیض پہنچاتے رہے اور بہت طالبین حق کی بیعت لینے کے بعد بیعت کرتے رہے۔ اپنے والد سے اکتسابِ فیض کے علاوہ بزرگان حضرت مکان اور دیگر بزرگوں سے بھی آپ نے کسبِ فیض کیا۔ جب ویلور تشریف لاتے مہینوں یہاں قیام کرتے اور ان بزرگوں سے فیض پاتے رہتے۔ چنانچہ آپ بار بار فرماتے کہ اس فقیر کے اوپر سید الاصفیاء مولانا سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص نظر کرم ہے۔ آپ کو بزرگانِ مکان سے والہانہ عقیدت و محبت کی یہی اصل وجہ تھی جو آپ کی روشن ضمیری نے ان کاملین بزرگوں کی کاملیت کا مشاہدہ کیا۔ اس صاحب فراست کی اس والہانہ عقیدت کو رشتہ داریوں پر محمول کرنا یقیناً نادانی ہوگی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد کے ایک مجذوب جو ہنوز بقید حیات ہیں آپ سے آکر فرمایا کہ ' ابو صالح صاحب فوراً تم ویلور کو جاؤ۔ آپ ان کے کہنے کے مطابق ویلور آ گئے۔ اور چند دنوں قیام کے بعد پھر واپس ورنگل گئے اور وہاں سے حیدرآباد پہاڑی والے بابا کے مزار پہ حاضری دینے گئے تو حکم ہوا فوراً ویلور جاؤ۔ حسب الحکم ویلور کو روانہ ہوئے۔ مدراس میں چند دن ٹھہرنے کے ارادے سے اپنی ہمشیرہ کے گھر اُترے۔ ابھی دو روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ پھر وہی بزرگ خواب میں تشریف لائے اور کہا فوراً ویلور کو جاؤ۔ اسی وقت آپ بیدار ہو کر ویلور کو روانہ ہو گئے۔ اور یہاں دیر تک قیام پذیر رہے۔

خدمتِ خلق و دین

اپنے والد اور دیگر اسلاف کی طرح خدمت خلق و دین کا پورا جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے والد نے اپنے نام پر مصطفےٰ پور ایک گاؤں بسا کر وہاں ایک چھوٹی مسجد تعمیر کروائی اور لوگوں کو دینی باتوں اور کاموں کی جانب بلاتے اور ترغیب دلاتے رہے' اسی طرح آپ کا طریقہ' کار رہا کہ ہمیشہ لوگوں کو دینی امور کی جانب بلاتے اور صحبت میں رہنے والوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ خدا اور رسُول کی محبت بٹھانے کی کوشش کیا کرتے۔

خدمت خلق کے اندر بھی یہی حال رہا۔ جب کوئی کسی بھی وقت اپنی حاجت لیکر آیا فوراً اس کی ضروریات پوری کرتے۔ سانپ بچھو کا زہر اتارنے یا تاب و تل کے مرض کو ختم کرنے میں آپ کو ایک خاص ملکہ تھا۔ جب کبھی اس قسم کے لوگ آتے فوراً اسکی تکلیف دور فرماتے ہر حال میں غریبوں کی خبر گیری کرتے رہتے۔ اور اب بھی بہت سے غرباء آپ کے توسط سے پرورش پا رہے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد کے پولیس ایکشن میں گرچہ کہ آپ کو

ایک سخت ترین دورِ آزمائش سے گزرنا پڑا۔ لیکن خدمت اور غربا پروری میں فرق نہ آیا۔ آپ اسی طرح خدمت بجا لاتے رہے۔

اوصافِ حسنہ

بہت ہی خوش مزاج وسیع القلب انسان تھے ہمیشہ ہر بچے، بوڑھے نوجوان سے ملنے کا ایک خاص انداز تھا۔ جو کوئی بھی آپ سے ایک بار ملا آپ کی صحبت میں رہا آپ کا شیدائی ہو گیا۔ آپ کا اندازِ کلام ہی ایسا تھا کہ ہر شخص فطری طور پر مانوس ہو جاتا۔ جب بھی دارالعلوم لطیفیہ کا کوئی طالب العلم آپ کے پاس جاتا اُسے اپنی تعلیم کی رغبت دلاتے اور اس کے حق میں جو مفید ترین باتیں مناسب سمجھتے نصیحت کرتے رہتے۔ جہاں بھی بیٹھ گئے مسائل دینیہ و تصوف پر یا سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا اولیاءِ عظامؒ سے متعلق گفتگو جاری رہتی۔ اس کے ماسویٰ سے نہ آپ کو دلچسپی تھی اور نہ کرتے۔ ہمیشہ لوگوں کو احترامِ انسانیت اور تواضع کی تاکید کرتے رہتے۔ آزاری خلق سے ہمیشہ بچنے کی نصیحت کرتے۔

جب کبھی کسی سے سلوک وغیرہ کے متعلق باتیں ہوتیں تو آپ یہی فرماتے سلوک نام ہے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مومن و سالک کیلئے لازم ہے کہ ہر حال میں سنت رسول کا سختی سے پابند رہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کبھی اپنی منزل نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ عبدیت کا عروج صرف اسوۂ حسنہ ہی کے اپنانے میں ہے۔ اس کے بغیر وصول حق ممکن نہیں۔ جس نے احکام شرعیہ کو غیر ضروری تصور کیا، زندیق ہو گیا۔ آپ کے اندر سنت رسولؐ پر عمل پیرا ہونے کا بہت کامل جذبہ پایا جاتا تھا۔ جہاں کہیں بھی کوئی قول و فعل رسولؐ مل گیا فوراً اس کو جان سے عزیز سمجھ کر اپنا لیا۔ نماز جماعت کے شدت سے پابند تھے۔ سوائے علالت کے کبھی نماز باجماعت فوت ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ ہمیشہ وقت سے پہلے مسجد میں حاضر رہتے۔ محبت رسولؐ سے سینہ بھرا ہوا تھا۔ جب کبھی ذکر رسولؐ چھڑ جاتا ایک تڑپ سینے میں پیدا ہو جاتی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

مہمان نوازی آپ کا خاص شیوہ رہا۔ جب کوئی مہمان کہیں سے آ گیا خواہ وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، شناسا ہو یا غیر شناسا بہت ہی فرحت وانبساط قلبی سے مہمان کی دلجوئی اور خاطر و مدارات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہیں آپ کو ذہانت اور قوتِ حافظہ سے بھی کافی حصہ ملا تھا۔ ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے کہ آپ کو تصوف سے بہت زیادہ لگاؤ تھا۔ خاص کر مثنوی مولانا رومؒ کلام جامیؒ اور حافظ شیرازیؒ، اور کلام قرآنی سے اور ان حضرات کے کثیر کلام آپ کو یاد تھے، جب کوئی آتا اور مسائل تصوف پر گفتگو چھیڑتا تو دیر تک مذکورہ بزرگوں کے کلام سناتے اور اپنا ذریعہ استدلال بناتے، معلوم ہوتا جیسے پوری کتابیں حافظہ میں رکھ لی ہوں۔

معمولاتِ یومیہ

آپ کا یہ لازمی معمول تھا کہ نماز فجر ادا کر کے سات ساڑھے سات بجے تک اوراد وظائف میں مصروف رہتے۔ اشراق ادا کر کے پھر مسجد سے باہر آتے بعد فراغ ناشتہ کے چاشت ادا کرتے، چاشت کے بعد یا نماز ظہر ادا کرنے سے پہلے آپ کا یہ معمول رہا کہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ اس کی تفسیر کا بغور مطالعہ کرتے، نماز عصر کے بعد عموماً آپ کسی نہ کسی وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر نماز مغرب کے بعد عشاء تک اوراد میں منہمک ہوتے اور صلوٰۃ اوابین ادا کرتے۔ فارغ ہوتے سے

پہلے ہمیشہ یہ معمول رہا کہ بعد عشا کھانے اور دیگر ضروریات سے فارغ ہوکر گئے رات تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے، تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آخر شب میں بیدار ہوکر تہجد ادا کرتے اور فجر تک کسی نہ کسی وظیفہ میں مشغول ہوتے۔ خاصکر جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا پورا رمضان شب بیداری میں کٹتا۔ جس وقت دیکھیے یادِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ روزانہ کے ان تعامل سے ظاہر ہوتا تھا کہ عبادت الٰہی کا ذوق حد سے زیادہ غالب ہے گویا ایک دھن سوار تھی، اپنے خالق ومالک کو راضی وخوش کرنے کی، ایک جذبۂ صادق سینے میں موجزن تھا۔ اپنے رب سے قریب تر ہونے کا۔ یقیناً خدا کے جو مقرب بندے ہوتے ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوتا ہے اور ہر وقت وہ اپنے خالق ومالک کی رضا جوئی کے اسباب کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو سکون صرف اپنے محبوب کی قربت اور یاد ہی میں ہوتا ہے، اور حقیقت میں یہی علامت اللہ والوں کی ہے، کسی خرق عادت وکرامات کا ظہور ولایت کی دلیل نہیں۔ ولی وہی ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی یاد میں اُسے حقیقی طمانیت اور سکون نصیب ہو۔ جہاں کہیں بھی اپنے محبوب کا ذکر خیر سُنے تڑپ جائے۔ آپ کی ذات ان میں سے تھی جنہوں نے اللہ رب العالمین کے آستانے پر سر نیاز جھکائے ہوئے حق بندگیت ادا کرنے کی کوشش کی۔

آپ کے متعلق بشارتیں

آپ کے چھوٹے بھائی مولوی سید قادر محی الدین صاحب او... دوسرے متعلقین بیان کرتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو جو شیخ کی تلاش میں تھے ان کو کسی بزرگ نے خواب میں آکر فرمایا، کہ ابوصالح سے مرید ہوجاؤ، وہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اسی قسم کا ایک خواب آپ کے چھوٹے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ نے آپ ہی مکان پر دیکھا کہ حضرت معشوق ربانی رحمۃ کے گنبد سے ایک بزرگ نکل کر ان کے بغل سے یہ بولتے ہوئے گزر رہے ہیں، کہ ابوصالح صاحب بہت نیک اور سمجھدار آدمی ہیں اور ہر چیز سمجھ کر کیا کرتے ہیں۔

نکاح واولاد

آپ کا نکاح حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت مکی رحؒ جن کا وصال مکہ معظمہ میں ہوا، جو آپ کے حقیقی ماموں ہوتے ہیں، ان کی صاحبزادی سے ۱۹۲۷ء میں بمقام مکان حضرت قطب ویلور میں ہوا۔ آپ کو اللہ نے دو لڑکیاں عطا کیں۔ جن میں سے بڑی صاحبزادی کا سید امین علی صاحب قادری جو آپ کے ماموں اور خالو بھی ہوتے ہیں ان کے صاحبزادے سید درویش محی الدین قادری سے ۱۹۵۰ء میں بمقام حضرت مکان ویلور میں نکاح ہوا اور دوسری صاحبزادی کا اپنے ہی بھانجے سید قادر باشاہ صاحب سے ۱۳ نومبر ۱۹۶۳ء میں بمقام عرس ورنگل میں نکاح ہوا۔

علالت ووصال

۱۹۶۴ء کے آخر میں جب آپ ویلور آکر یہاں سے واپس گئے تو صحت علیل ہوگئے گرچہ کہ دو سال سے مسلسل بیماریوں کا سلسلہ چل رہا تھا، لیکن معقول علاج سے اس کا ازالہ ہوتا رہا۔ اس بیماری میں بھی قابل ڈاکٹروں اور حکیموں کی جانب رجوع کیا گیا۔ فائدہ ہوا لیکن اس حد تک نہیں کہ اس افاقہ پر بھروسہ کیا جاسکے، اور اس وقت سے فراش ہی رہے۔ جب کوئی کرسی پر بٹھا دیتا تو دیر تک بیٹھے رہتے۔

اس حال میں ہونے کے باوجود بھی آپ ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے ہمہ وقت اپنے رب کی یاد میں مصروف رہتے اور اشاروں سے فرائض کے ادا کرنے کے کوشاں رہتے، آخر وہ وقت آہی گیا جس کا انتظار ہر نفس کو ہوتا ہے جو حبیب کو حبیب سے ملانے کا ذریعہ ہوتا ہے، ازل سے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا قطعی قانون جو ہر نفس کیلئے نافذ ہے۔ آپ نے بھی خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۸ر مئی ۱۹۶۵ء کی شب ایک اور ڈیڑھ کے درمیان اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

بعدِ نمازِ عصر مغرب سے پہلے آپ کی دائمی خواب گاہ، جو آپ کے دادا ہی کے مواجہہ میں بنائی گئی تھی سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کے جانشین

آپ کے جانشین آپ کے بھائی مولوی سید قادر محی الدین صاحب قادری ہوئے اور اسکی رسم ۴ر صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۵ر جون ۱۹۶۵ء بروز جمعہ کو ادا کی گئی۔

آپ کی تعلیم بھی خانگی ہونے کے علاوہ مدرسۂ اسلامیہ میں ہوئی۔ بحمد اللہ موصوف اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں معلومات بھی بہت وسیع رکھتے ہیں۔ اور ذوقِ مطالعہ بھی کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ معاملہ فہمی، وسیع القلبی، تحمل و بردباری کے ماسوا مہمان نوازی و غرباپروری کا جذبہ بھی مرحوم بھائی کی طرح ہی پایا جاتا ہے۔ اپنے بھائی کی زندگی ہی میں آپ نے جملہ خانگی امور کو سنبھال لیا تھا اور بہت ہی حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔ عنایاتِ الٰہیہ سے بہت ہی خوبیوں کے مالک ہیں۔

اس وقت آپ کو دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ بچے زیرِ تعلیم ہیں۔ یقین ہے کہ موصوف بھی اپنے بھائی مرحومؒ کی حق جانشینی کو بحسن و خوبی نبھائیں گے اور اپنے اسلاف ہی کی طرح خدمت خلق و دین میں اپنے عزیز ترین اوقات کو صرف کریں گے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں موصوف کو اپنے بھائی اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلائے اور ان سے خدمت خلق و دین لیتا رہے۔ (آمین ثم آمین ثم آمین)

خیر خواہ

ادارۂ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان
قطبؒ ویلور قدس سرہٗ



دارالعلوم لطیفیہ کا بیرونی منظر

نظم

از الحاج مولانا مولوی غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی پروفیسر جامعہ دار السلام عمر آباد

یہ گلشن پھر سجایا جا رہا ہے
اُسی رونق پہ لایا جا رہا ہے

لطیفیہ لطیفیہ ہے آخر
ترقی پر وہ پایا جا رہا ہے

معارف اور ہر اک علم و فن کے
خزانوں کو لٹایا جا رہا ہے

یہاں کی روشنی آفاق تک ہے
چراغ ایسا جلایا جا رہا ہے

جو لاتی ہے سرور و کیف و مستی
اُسی مئے کو پلایا جا رہا ہے

یہاں کا خاص "جمع الجمع" مسلک
یہی رستہ دکھایا جا رہا ہے

وہ کیا اسلام، کیا ایمان و احساں
یہاں سب کچھ سکھایا جا رہا ہے

حقیقت پر سے ہر اہلِ نظر کو
ہر اک پردہ اُٹھایا جا رہا ہے

نہ دیکھے تو نہ دیکھے، کور باطن
وہ جلوہ جو دکھایا جا رہا ہے

مرے مخدوم ہیں بندوں کے خادم
یہ حُسنِ خُلق پایا جا رہا ہے

شریعت اور طریقت کے پناہی
کہ دونوں کو ملایا جا رہا ہے

نظر میں ہیں نقوشِ پائے آبا
قدم ایسا اٹھایا جا رہا ہے

یہاں آبِ حیاتِ جاوداں کا
حقیقی گُر بتایا جا رہا ہے

وہ تو شاکر ہے اب سُحبان کو بھی
بلاغت میں بھلایا جا رہا ہے

فکر

از مولانا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری

پس نخستین بایدش تطہیرِ فکر
بعد ازاں آساں شود تعمیرِ فکر

فکر کے لغوی معنی ہیں سوچنا، غور کرنا، تامل کرنا اور منطقین کے نزدیک معلومات کو ترتیب دے کر مجہولات حاصل کرنے کا نام ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں معنی تفکر طلب علم است، اور صوفیا فکر سیر معنوی کو کہتے ہیں جو ظاہر سے باطن اور صورت سے معنی کی جانب ہوتی ہے۔ گلشن راز سے

تفکر رفتن از باطل سوئے حق،
بجزو اندر بدیدن کل مطلق

پوری کائنات میں انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ اور سرّ حق ہے۔ ان ممتاز خصوصیتوں کے حامل ہونے کی وجہ سے یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ازل سے نافذ کردہ نظام عدل کا بھی سب سے زیادہ پابند ہو۔ اسی لئے ہر زمانے میں انبیاء و رسل راہ راست دکھانے مبعوث ہوتے رہے اور اس کی فطری صلاحیت اور قوت جس پر اسکے بلند و اعلیٰ کردار، و اخلاق اور پاکیزہ تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے صراط مستقیم پہ قائم رکھنے کے لئے ہدایت دیتے رہے"۔ فکر وہ بنیادی عنصر ہے جس پہ سارے تہذیب و تمدن اور اعلیٰ روحانی اقدار کی بنیاد قائم ہے۔ وہ انسان کے پورے شعبہائے زندگی پہ حاوی ہے اور اسکو انسانی زندگی سے ایک گہرا ربط ہے، جو کسی حال میں اس سے منفک نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کے کسی بھی افعال خواہ وہ حسن ہوں یا قبیح اس کا محرک خیال و فکر ہے۔ ہر اچھے برُے اخلاق اور کامیاب و ناکام اعلیٰ و ادنےٰ تہذیب و تمدن سب کے سب فکر پر قائم ہیں۔ کیونکہ تہذیب کی ابتدائی منزل تہذیب نفس ہے۔ اور ہمارے قلبی میلانات و اندازِ فکر ہی تہذیب کے بنیادی عناصر ہیں۔ جب انسان کے دل میں کسی شئی کے حاصل کرنے، یا کسی فعل کے کرنے کا خیال اُبھرتا ہے تو فوراً قوت فکریہ اس پہ اپنا اثر ڈالتی ہے جو ایک عزم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور عزم محکم پیدا ہو جانے کے بعد پھر وہ فعل بآسانی ظہور میں آ جاتا ہے۔ اور اس فعل کے بار بار ظہور میں آنے سے وہی فعل عادت جاریہ ہو جاتا ہے اور آگے چل کر وہی عادت اسکی سیرت بن جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ مشہور عالم ہوتا ہے۔ یہی شخصی سیرت زندگی کے تمام، مظاہر میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے کسی طرح انکار ممکن نہیں، کہ تہذیب انفرادی و اجتماعی دونوں پہ حاوی ہے اور تہذیب کا مکمل ظہور اجتماعی زندگی میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی فکر فرد سے لیکر قوم تک کی موت و حیات، ان کے عروج و زوال، ترقی و انحطاط کا بنیادی سبب ہے، جس سے ہر ایک کا گہرا ربط ہے ع

قوموں کی حیات اس کے تخیل پہ ہے موقوف

جس طرح کسی فرد کا مرکز نگاہ جب جماعت و قوم سے الگ ہو کر صرف ذاتی مفاد پر منحصر ہو جاتا ہے اور وہ شخص ذاتی جلب منفعت کی خاطر جماعت و قوم کے کسی نفع و نقصان کا قطعی لحاظ نہیں کرتا تو دنیا اُسے خود غرض ہی نہیں بلکہ جابر و ظالم تصور کرتی ہے۔ اسی طرح جب یہ حالت کسی جماعت و قوم کی ہو جاتی ہے اور فرد مذکور ہی کے رنگ میں دنیا کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ جماعت و قوم بھی حق بین اور وسیع النظر افراد و قوم کی نگاہ میں لٹیری اور ظالم کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ عالمی وحدت و اخوت انسانی کے حسین تصور اور اس کے مفاد کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ پھر اس کا جو حشر ہوتا ہے وہ آج بھی کسی پر مخفی نہیں۔

لہٰذا فرد سے لیکر جماعت و قوم کے مادی و روحانی اقدار کو بلند کرنے اور ان کے اندر عالمی وحدت و اخوت انسانی کا حسین تصور پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ اس کے خیال و فکر میں پاکیزگی و بلندی پیدا کی جائے اس لئے کہ جب فکر میں صالحیت و تطہیر پیدا ہوگی تو اس کے اقدارِ حیات میں بھی بلندی اور تعمیر میں آسانی ہوگی۔

۵

پس نخستیں بایدش تطہیر فکر　　　بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

فکر میں تطہیر و بلندی پیدا کرنے کے لئے مختلف قوموں نے مختلف محور و مرکز قائم کیا۔ اور اس کو صحیح و کامیاب مستحکم اور مضبوط جانا اور اسی پر ان کی زندگی کی گاڑی دوڑتی رہی۔ لیکن جب ہم ان کے نتائج افکار کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ تھوڑی دیر کے لئے حباب بحر کی طرح سطح انسانیت پر اُبھرے اور پھر ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئے۔

آج جسے دَورِ جدید اور ترقی یافتہ دَور کہا جاتا ہے ان کے پیش کردہ اصول جن پر ان کے افکار کی دنیا قائم ہے نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا اصول نظر نہیں آتا جو انسان کے روحانی اور مادی دونوں تقاضوں کو افساد سے سالمیت اور ترقی عطا کرتا ہو اور ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے والا ہو۔ بلکہ آج کے مدعیان فلاح و بہبود کے افکار پر غائر نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ آج بھی سوچنے والے وہی ہیں جو ہٹلر و مسولینی اور سلازار جیسے درندوں نے اپنے ہولناک افکار سے دنیا میں قیامت برپا کر رکھی تھی۔ جن کے شعلۂ ہوس میں کروڑوں انسان فنا ہو گئے۔

سلازار و ہٹلر کی سنت زندہ کرنے والے آج بھی انسانیت کے اسٹیج پر خون آشام رقص کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں —— ان کے کردار کی روشنی میں بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی اصول نہیں جو انسانیت نواز اور بلند افکار پیدا کرنے والے ہوں۔

اس کے برخلاف جب اسلام کے پیش کردہ ٹھوس حقائق پر نظر کرتے ہیں تو اس کے حقیقت آشنا اصول میں وہ سب کچھ ملتا ہے جن پر صحیح افکار کی مستحکم عمارت قائم کی جا سکتی ہے۔ جن کے ذریعے صحیح و سالم اعلیٰ تہذیب و تمدن وجود میں لائے جا سکتے ہیں۔ اسلام کے اندر وہ تمام چیزیں موجود ہیں جن سے انسان کی مادیت و روحانیت میں ہم آہنگی اور نفاست و لطافت عروج و ارتقاء ہو۔ یقیناً اسکے ہر اصول انسانیت نواز اور اعلیٰ افکار و کردار پیدا کرنے والے ہیں۔ اس کی شہادت اسلام کی چودہ سَو سالہ تاریخ دے رہی ہے اور قیامت تک بہنے والی دنیا دیتی رہے گی۔ اسلام سے پیشتر عرب کی وحشی اور بادیہ نشیں قوم کی تہذیب و تمدن پر نظر ڈالئے کہ ان کی وحشت و بربریت

بہیمیت و سبعیت کس قدر بڑھی ہوئی تھی اور وہ صالح نظام فکر سے کتنا دُور ہو چکے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا اور اس نے حقیقت سے لبریز تصور پیش کیا اور بتایا کہ تمہاری صالحیت اور انسانیت کی فلاح اعلیٰ تہذیب و تمدن کے وجود اسی مستحکم و پاکیزہ فکر پہ موقوف ہے، اور جب انہوں نے بانئ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے افکار و عمل میں مادیت و روحانیت کی ہم آہنگی اور اس سے بے پناہ قوت و تاثیر کا مشاہدہ کیا تو کشاں کشاں اس انسانِ کامل کی بارگاہ پُر جمال و جلال میں حاضر ہو ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی زندگی کا نقشہ بدل گیا۔ ان کے سوچنے و غور کرنے کا طریقہ بدل گیا۔ ان کے رہنے سہنے، چلنے پھرنے، ملنے جلنے کا سلیقہ بدل گیا۔ ان کی تہذیب و تمدن کا جغرافیہ بدل گیا۔ انداز فکر کے بدل جانے سے ان کی پوری زندگی بدل گئی۔ اور ان کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب آگیا۔ ان کے افکار کے انقلاب نے ان کو عظیم انسان اور انسانیت نواز قائد بنا دیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا آپ نے دیکھا، دنیا نے دیکھا کہ غیر معمولی قوت فکر کے مالک عرب نے، صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا اور دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔

وہ عرب جن کو جینے کا سلیقہ تک نہ معلوم تھا، اسلام کے عطا کردہ پاکیزہ و لطیف فکر نے کیا سے کیا بنا دیا۔ عالم کی زمامِ سلطنت و قیادت ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ دنیا نے اپنے فکر و عمل کو ان کے فکر عمل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، اُن سے درس انسانیت لیا اور اسی روشنی میں اپنی نجات کی جویا ہوئی۔ اور آج بھی اُسی تنویر فکر کا اثر ہے جس کے سہارے دنیا ایک صالح تہذیب و تمدن کو وجود میں لانے کی کوشاں ہے گرچہ کہ عناداً اس کو کلی طور پر اپنانے سے گریز کر رہی ہے۔ لیکن اس آفتاب کی تابندہ حقیقت کے تسلیم کرنے سے فرار تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ اس کے صالح نظام فکر کو بہر حال تسلیم کر رہی ہے۔ چنانچہ ایورنڈ لسے فرانک کہتا ہے کہ آج جبکہ ہم ان موجودہ مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں ہمیں اسلام کے طریق کار پہ غور اور اسے اختیار کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے اور ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ اگر ہم نے ان مسائل میں اسلام کی ہدایت کو مشعل راہ بنایا تو ہم مایوسی کی تاریکیوں سے نکل کر اُمید اور کامیابی کی روشنیوں تک پہنچ سکیں گے۔

اور پروفیسر سر تھامس آرنلڈ لکھتا ہے:

Sir Thomas Arnold :-

Islam is a great political power, where effects the world will feel more and more in proportion, as the ends of the earth are brought closer and closer together.

یعنی اسلام ایک بہت بڑی سیاسی طاقت ہے جس کا اثر دنیا زیادہ سے زیادہ ایسا ہی محسوس کرتی ہے، جیسا کہ ساری دنیا ایک جگہ کر دی گئی ہو۔ اسی طرح پروفیسر ڈریپر (History of the Intellectual Development of Europe) اپنی کتاب Draper میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

Of all men Mohamed has exercised the greatest

influence upon the human race. یعنی دنیا کے تمام بڑے گزرے ہوئے لوگوں نے دنیا والوں پر اتنا اثر نہیں چھوڑا جتنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عالم پر اتنا اثر چھوڑا۔ اور دورِ جدید کا مفکر جارج برنارڈ شاہ کہتا ہے، جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانیت کے بہت بڑے دوست اور محسن تھے۔ ہمارا کامل یقین ہے کہ اگر آج پیغمبر اسلام جیسے کسی شخص کو دنیا کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائے تو وہ اس دَور کے تمام مسائل کو حل کر کے انسان کو امن اور خوش حالی کے دَور میں لے آئے گا اور Leubenitz کہتا ہے کہ فلسفۂ انسانی میں تناقضات کثرت سے موجود ہیں۔ ان تناقضات کو اگر آج تک اصل تطابق کی شکل میں پیش کیا گیا اور مطابقت کو ظاہری تناقضات کے لئے بنیادی چٹان بنایا گیا تو وہ ضابطہ یا وہ مجموعہ اسلام ہے، دنیا اس کام سے عاجز تھی۔ اسلام نے یکسانیت پیدا کی اور اس مشکل مسئلے کو حل کر دکھایا۔

قابلِ غور بات ہے کہ وہی بادیہ نشین وحشی قوم جسے خیر و شر کا شعور تک نہ تھا وہ کونسی اسپرٹ پیدا کرنے والی شئی تھی جس نے اس کی فکر کی دنیا میں اتنا بڑا زبردست انقلاب لایا، اور وحشت و بربریت نے کامیاب تہذیب و تمدن کی صورت اختیار کرلی، ذرا سی توجہ سے بآسانی بات حل ہو جاتی ہے کہ اس وقت کی دنیا ایک خدا کے بجائے لاتعداد خداؤں کے تصور میں مبتلا تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ انتشار اور ناکامی ہے۔ اسلام نے جو توحید حقیقی کا تصور پیش کیا وہ اتنا زبردست اور محکم تھا کہ اس نے تمام باطل قوتوں کو مٹا کر صرف ایک قادر و توانا طاقت کے سامنے انسان کے ذوقِ عبودیت کو جھک جانے کا حکم دیا۔ مختلف سمتوں میں کھینچنے والی تمام ہلکی ہلکی زنجیریں توڑ کر صرف ایک بوجھل اور لانبی زنجیر گردن میں ڈال دی اور اپنے ماننے والوں پہ واضح کر دیا کہ جملہ انفرادی و اجتماعی حرکات کا مرکزی نقطہ بھی توحید ہی ہے۔ دنیا کی جملہ فرماں برداریاں اور محبتیں اسوقت تک ہیں کہ ان سے توحید کی پاکیزگی پہ دھبّہ نہ آئے اور حاکم مطلق کی محبت و وفاداری میں فرق نہ پڑے۔ جہاں کہیں اس اصول پہ ضرب پڑتی ہو تو پھر مردِ مومن کے لئے دنیا کی تمام جاں نثاریاں تمام وفاداریاں اور محبتیں بغاوت میں بدل جاتی ہیں۔ اس وقت تمام رشتوں سے انقطاع اور تمام محبتوں سے انکار واجب ہے۔ اس لئے اللہ کے مقابلے کوئی حاکمیت مسلّم نہیں۔

سہ روشن اس ضَو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرِ سپہ، تیری سپہ دیکھی ہے
قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام

قرآن نے سینکڑوں مقامات پہ توحید کے ٹھوس اور مدلل تصور کو پیش کیا اور اپنے ماننے والوں کے قلب و دماغ، رگ و پے میں پوری طرح بسانے کی کوشش کی اور بسایا، تاکہ ان کے تمام افکار و انظار اسی ایک محور کے گرد گردش کریں اور وہ اسی کو حیاتِ دارین کا نصب العین بنائیں کہ حقیقی فلاح اسی میں پنہاں ہے اور یہی فکر حقیقت سے قریب تر کر دینے والی ہے۔ اسی فکر کے بارے میں سرورِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ ایک گھڑی کا فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہی وہ عظیم فکر ہے جو وحدتِ بنی آدم کا ضامن اور واحد حل ہے۔ اتحادِ بنی آدم کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ جب دنیا اپنے فکر کا محور اسلام کے پیش کردہ حقیقت

مطلقہ کے تصور کو قرار دے کیونکہ تمام عالم کے افکار و خیالات میں ہم آہنگی و وحدت صرف اسی سے پیدا ہو سکتی ہے اور بنی آدم کے درمیان اجنبیت و غیریت کی جو وسیع خلیج حائل ہے یکسر ختم ہو سکتی ہے۔

تصور توحید میں استحکام اور اس کی فکر میں کاملیت پیدا کرنے کے لئے اسلام نے توحید کے بعد جو سب سے بڑی چیز پیش کی ہے وہ تصور رسالت ہے، اسلام نے رسالت سے زندگی پائی ہے۔ رسالت توحید کی زینت اور اسکی تفسیر ہے۔ رسالت کا مقصد دنیا میں حریت کو عام کرنا ہے اور انسانوں کو اخوت کی تعلیم دینا ہے، توحید مکمل ہوتی ہے۔ رسالت سے۔

لہذا اسلام نے تصور توحید کے ساتھ ہی رسالت کے تصور کو فلاح انسانی کا جزو لاینفک قرار دیا۔ توحید کی بارگاہ پر جلال میں قربیت حاصل کرنے کے لئے اور اس کے جلوؤں سے قلب و نگاہ کو ابدی سکون، اور اس کے بیحد و حساب انعامات سے سرفراز ہونے کے لئے واسطۂ رسالت لازم و واجب ہے۔ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماننے والوں کو فکر کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تفکروا فی الایہ ولا تفکروا فی ذاتہ، اللہ کی نعمتوں، اس کے صفاتوں میں فکر کرو اسکی ذات میں فکر نہ کرو۔ کیونکہ ذات مطلق تک کسی طرح فکر کی رسائی ممکن نہیں۔ اسکی ذات ساری کائنات کو محیط ہے، جسے عقل سمجھ رہی ہے یا جہاں تک اسکی رسائی ہے، وہ ذات نہیں۔ اسکی ذات مطلق عقل کی ہر عمایعیف سے ماوراء ہے۔

؎ جہاں متفق بر الٰہیتش
فرو ماند در کہنہ ماہیتش
بشر ماورائی جلالش نیافت
بصر منتہائے جمالش نیافت
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم
نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد
نہ فکرت بغور صفاتش رسد

کائنات جو صفات الٰہیہ کی مظاہر ہے اور اس میں آثار اللہ و افعال اللہ کا ظہور ہو رہا ہے پیشوای کل صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں مظاہر میں غور و فکر کی تعلیم دی۔ قرآن نے متعدد مقامات پر آفاق و انفس میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا کہ یہی معرفت الٰہی کے ذرائع ہیں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون، وہ تمہارے ہی نفسوں میں ہے، تم کیوں نہیں دیکھتے ہو۔ اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیئ اور ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار لآیۃ لاولی الالباب اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جہاں انسان کو غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے۔

یہی وہ بلند و اعلیٰ افکار ہیں، جس سے اعلیٰ تہذیب و تمدن کا وجود ہوتا ہے۔ انسانیت میں حقیقی نکھار پیدا ہوتا ہے، اور انسان میں خود آگاہی و خدا آگاہی کا کامل و حقیقی جذبہ بیدار ہوتا ہے اور انسان زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر خطیرۃ القدس میں پرواز کرتا ہے، چرخ نیلی فام سے پرے اس کو اپنی

(بقیہ بر صفحہ ۵۱)

نفسیات

آپ اپنے آپکو کیسا محسوس کرتے ہیں

از: حکیم زکی الدین احمد نظامیہ دواخانہ پارم پیٹ

ہر بچے کو قسام ازل نے عقل و تمیز جیسی نعمت سے ایک حصّہ دیا ہے اور وہ لڑکپن ہی سے اپنے اندر کچھ اُمنگیں اور تمنائیں ضرور رکھتا ہے اور یہی تمنا آگے چل کر اس کے اندر ایک جذبات کی شکل اختیار کرلیتی ہیں اور رفتہ رفتہ یہی جذبات ایک مستقل، ایک باشعور احساس کی جانب لیجاتا ہے۔ اور یہی احساس ماحول اور تربیت کے اعتبار سے مختلف عزائم، افعال و کردار اور مختلف نصب العینوں کو وجود میں لاتا ہے مثلاً جو بچہ اپنے اندر احساس برتری رکھتا ہے آئندہ چل کر خوب ترقی کرتا ہے۔ اور یہ علم و فن کے جس میدان میں بھی گامزن ہوتا ہے میدان اسی کا ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنی ذہانت سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتا ہے، خواہ علم وہ کوئی بھی علم ہو اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر علم اور علم کے ہر ہر شعبہ کا حق ادا کرنا اپنا فرض اولین سمجھتا ہے اور جوں جوں معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے وہ اپنے اندر خوشی ہی محسوس کرتا ہے اور ترقی ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ اور اپنی اس ترقی سے سیر نہیں ہوتا۔ تحریر ہو یا تقریر، درس ہو یا تدریس ہر بزم سے دلبستگی ہر انجمن سے وابستگی، ہر طریقہ سے فراخدلی، ہر کام کی ادائیگی میں دلجمعی اس کا طریقہ اور شعار ہوتا ہے، دل و دماغ دونوں جوان اور مصروف کار، عزم مستحکم، ہمت بلند ترقی کی ہر منزل کو پالینا سخت سے سخت آزمائش اور امتحان کو سر لینا ایسے شخص کے لئے آسان ہوتا ہے۔ ملازمت کیسی بھی ہو خدمت کوئی بھی ہو اسے قبول کرنے میں وہ کوئی عار نہیں سمجھتا۔ نتیجتاً چند ہی روز میں ایسا شخص مالک و مخدوم ہو جاتا ہے اور کامیابی و کامرانی اس کے قدم چومنے لگتی ہے۔ برخلاف اس کے وہ بچہ جسکی فطری اُمنگیں کو غلط نگہداشت کی بنا پر صحیح راہ نہ پاسکیں اور اس کے دل کی معصوم تمنائیں دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں تو ایسے بچے کے جذبات میں گھٹن کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکے نتیجہ میں ایسے بچے کے اندر بھی ایک ایسا بھی احساس جنم لیتا ہے جو برابر اُسے پستی کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے اور یہی احساس، احساس کمتری کہلاتا ہے اور جو آدمی اس خطرناک احساس کا شکار ہو جاتا ہے آخر کار اس کے لئے یہ کینسر سے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے اب ایسے شخص کی آفت نہ پوچھو، وہ کسی بھی شعبۂ زندگی میں اپنا وقار قائم نہیں رکھ سکتا، بلکہ ہر ترقی کی راہ میں اس کا پست احساس اس کے لئے سدِ باب بن جاتا ہے۔ اول روز سے ہی ایسے شخص کو اپنی ذات پر اعتماد نہیں رہتا۔ سماج اور برادری میں اپنی قدر و قیمت کا احساس کر نہیں پاتا۔ ہر اعتبار سے اپنے آپ کو نااہل سمجھتا ہے، بس ہر گھڑی اسی سوچ میں رہتا ہے کہ میری بساط ہی کیا ہے۔ ہائے رے میری بے بسی۔ نہ میرا علم اس قابل ہے کہ کسی محفل میں کچھ بول سکوں، نہ اتنا ذہن کہ کچھ پڑھ سکوں، نہ اتنا

فہم کہ کسی کو سمجھوں اور نہ سمجھا سکوں۔ نہ سرمایہ ہے کہ تجارت کر سکوں، نہ کچھ قابلیت ہی ہے کہ ملازمت کر سکوں۔ فلاں امتحان تو بہت اچھا ہے لیکن میرا دماغ ہی اس قابل کہاں کہ کتابیں حل کر سکوں۔ فلاں مقام تو بہت اچھا ہے لیکن ہمت کہاں کہ وہاں رہ سکوں۔ فلاں عالم سے گفتگو کی مجھ میں قابلیت نہیں۔ فلاں فنکار سے ملنے کی جرأت نہیں۔ فلاں محفل میں بولنے کی طاقت نہیں۔ بولنا تو کجا کبھی محفل میں جانے اور بیٹھنے کی عادت بھی نہیں، ہائے ری میری قسمت!۔

غرض اس قسم کے منفی جذبات و احساسات روز بروز آدمی کو ناکارہ ہی بناتے جاتے ہیں۔ آدمی چاہے کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، چاہے کتنا ہی مال و دولت رکھتا ہو اور ترقی کے ذرائع و وسائل کتنے ہی میسر کیوں نہ ہو، ہر میدان علم میں جھجک دامنگیر ہوگی۔ ہر مقصد میں ناکام رہیگا۔ یاس و حسرت کا ہر وقت ہجوم رہے گا۔ ہر ایک سے شکوہ و شکایت رہیگی کہ فلاں نے میری عزت نہیں کی۔ فلاں محفل میں مجھے بلایا نہیں گیا۔ فلاں نے خاطر و مدارات نہیں کی۔ دنیا نے مجھے حقیر سمجھا وغیرہ یہی رونا ہر گھڑی رہے گا اور اس کی پست ہمتی بھی برابر بڑھتی جائے گی اور وہ ایک عضو معطل بن کر زندگی گذارے گا۔ کمال تو یہ ہے، کہ احساس کمتری کا یہ جذبہ اس قدر مخفی اور غیر شعوری ہوتا ہے، کہ مبتلا آدمی تو اسے محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ دراصل میری ناکامی کی وجہ یہی میرا احساس ہے۔ بلکہ سطحی نظر رکھنے والے بھی ایسے شخص کے متعلق فی الفور بدقسمتی یا بدبختی ہی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن بہ نظر غائر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت یہ آدمی احساس کمتری کا شکار رہے اور اسکی تباہی کا اصل سبب یہی مریضانہ ذہنیت ہے۔

آخر وہ کونسے اسباب و محرکات ہیں جنکی وجہ سے آدمی اس قدر خطرناک احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اختصار کے ساتھ چند اسباب پیش کئے جاتے ہیں۔

ماں باپ کا اپنی اولاد کو بچپن میں ان کی فطری رجحانات کے اظہار سے باز رکھنا یا اس کے لئے مواقع فراہم نہ کرنا، یا بچوں کو ان کی افتاد طبع کے خلاف کسی دوسرے کام میں مشغول رکھنا۔

جس طرح ایک بڑا آدمی اپنی تعریف سے خوش اور متاثر ہوتا ہے اسی طرح بچہ بھی اپنی تعریف سننے کے لئے بے قرار رہتا ہے، وقت پر جب اسکی داد نہ دی جائے بچہ گھٹن محسوس کرتا ہے۔ اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بچہ خانگی ماحول سے ہٹ کر میدان تعلیم یا فن کاری میں قدم رکھتا ہے تو اس کے رجحان کا مطالعہ اساتذہ اور متعلقین فن پر ضروری ہے۔ جو اساتذہ بچوں کے حوصلے بلند ہونے کا موقع نہیں دیتے، وہ بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ بچوں کو ان کی محنت اور ہمت کے لائق خوب دل کھول کر داد تحسین دینی چاہئے۔ اس معاملہ میں بخالت سے کام نہ لیا جائے۔ کامیابی اور ترقی کے لئے بار بار موقع دیئے جائیں بصورت دیگر وہ ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور یہی حوصلہ شکنی احساس کمتری کا باعث بنجائیگی۔

کسی منصوبے یا ارادے میں ناکامی یا اس کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں بھی آدمی پست ہمت ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ماہرین نے بتلایا ہے کہ اپنی طاقت و ہمت سے بڑھ کر آدمی کوئی منصوبہ نہ بنائے۔ کیوں کہ ناکامی کی صورت میں وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے گا۔

نیز بعض وقت آدمی کچھ ایسی غلطیاں کر جاتا ہے جو سماجی اور اخلاقی حیثیت سے معیوب سمجھی جاتی ہے اور آدمی اس کی

فہم کہ کسی کو سمجھوں اور نہ سمجھا سکوں۔ نہ سرمایہ ہے کہ تجارت کر سکوں نہ کچھ قابلیت ہی ہے کہ ملازمت کر سکوں۔ فلاں امتحان تو بہت اچھا ہے لیکن میرا دماغ ہی اس قابل کہاں کہ کتابیں حل کر سکوں۔ فلاں مقام تو بہت اچھا ہے لیکن ہمّت کہاں کہ وہاں رہ سکوں۔ فلاں عالم سے گفتگو کی مجھ میں قابلیت نہیں۔ فلاں فنکار سے ملنے کی جرأت نہیں۔ فلاں محفل میں بولنے کی طاقت نہیں۔ بولنا تو کجا کبھی محفل میں جانے اور بیٹھنے کی عادت بھی نہیں، ہائے ری میری قسمت!۔

غرض اس قسم کے منفی جذبات و احساسات روز بروز آدمی کو ناکارہ ہی بناتے جاتے ہیں۔ آدمی چاہے کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، چاہے کتنا ہی مال و دولت رکھتا ہو اور ترقی کے ذرائع و وسائل کتنے ہی میسر کیوں نہ ہو، ہر میدان علم میں جھجک دامنگیر ہوگی۔ ہر مقصد میں ناکام رہیگا۔ یاس و حسرت کا ہر وقت ہجوم رہے گا۔ ہر ایک سے شکوہ و شکایت رہیگی کہ فلاں نے میری عزت نہیں کی۔ فلاں محفل میں مجھے بلایا نہیں گیا۔ فلاں نے خاطر و مدارات نہیں کی۔ دنیا نے مجھے حقیر سمجھا وغیرہ یہی رونا ہر گھڑی رہے گا اور اس کی پست ہمتی بھی برابر بڑھتی جائے گی اور وہ ایک عضو معطل بن کر زندگی گذارے گا۔ کمال تو یہ ہے، کہ احساس کمتری کا یہ جذبہ اس قدر مخفی اور غیر شعوری ہوتا ہے، کہ مبتلا آدمی تو اسے محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ دراصل میری ناکامی کی وجہ یہی میرا احساس ہے۔ بلکہ سطحی نظر رکھنے والے بھی ایسے شخص کے متعلق فی الفور بدقسمتی یا بدبختی ہی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن بہ نظر غائر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت یہ آدمی احساس کمتری کا شکار رہے اور اسکی تباہی کا اصل سبب یہی مریضانہ ذہنیت ہے۔

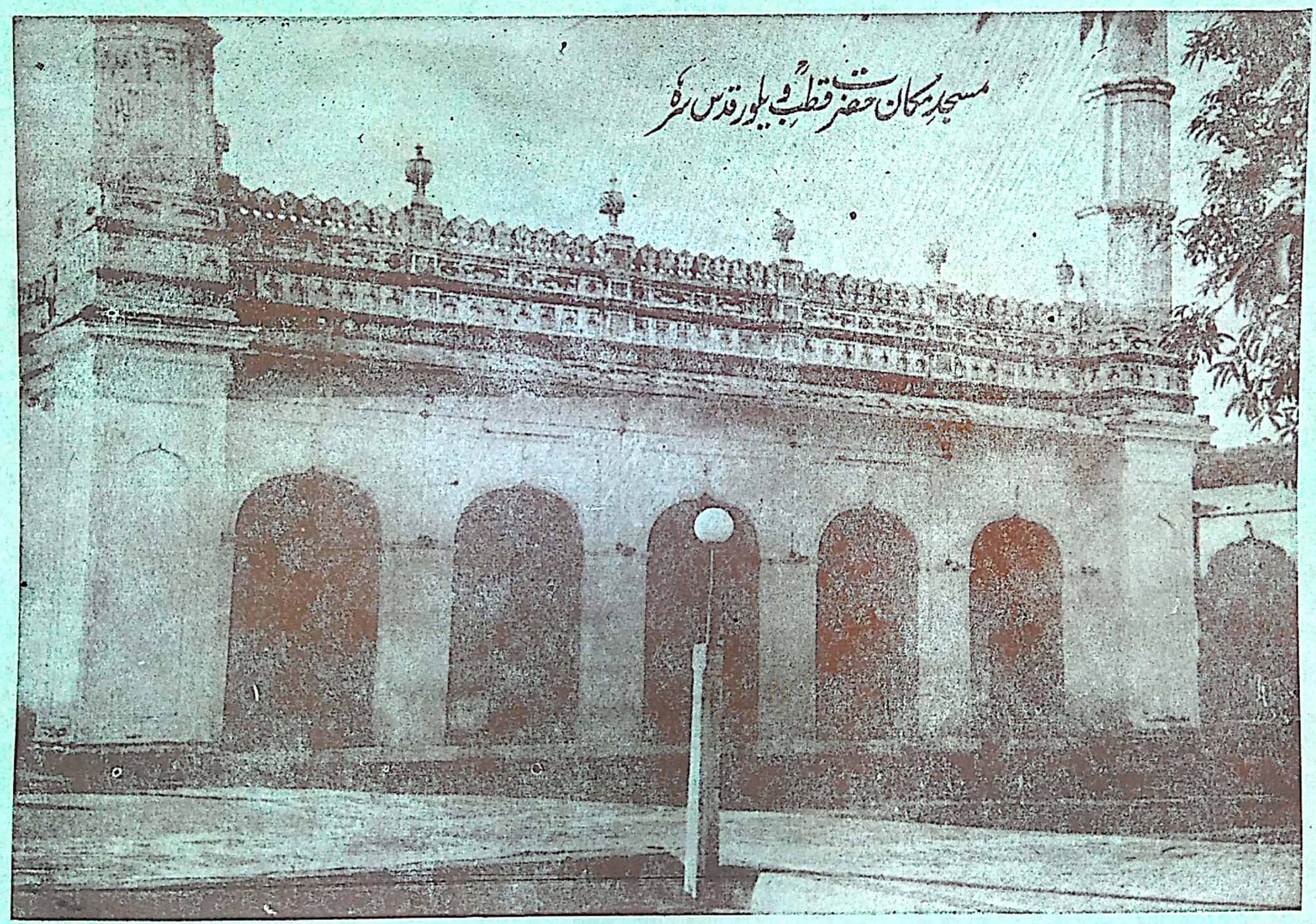
آخر وہ کونسے اسباب و محرکات ہیں جنکی وجہ سے آدمی اس قدر خطرناک احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اختصار کے ساتھ چند اسباب پیش کئے جاتے ہیں۔

ماں باپ کا اپنی اولاد کو بچپن میں ان کی فطری رجحانات کے اظہار سے باز رکھنا یا اس کے لئے مواقع فراہم نہ کرنا، یا بچوں کو ان کی افتاد طبع کے خلاف کسی دوسرے کام میں مشغول رکھنا۔

جس طرح ایک بڑا آدمی اپنی تعریف سے خوش اور متاثر ہوتا ہے اسی طرح بچہ بھی اپنی تعریف سننے کے لئے بے قرار رہتا ہے، وقت پر جب اسکی داد نہ دی جائے بچہ گھٹن محسوس کرتا ہے۔ اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بچہ خانگی ماحول سے ہٹ کر میدان تعلیم یا فن کاری میں قدم رکھتا ہے تو اس کے رجحان کا مطالعہ اساتذہ اور متعلقین فن پر ضروری ہے۔ جو اساتذہ بچوں کے حوصلے بلند ہونے کا موقع نہیں دیتے، وہ بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ بچوں کو ان کی محنت اور ہمت کے لائق خوب دل کھول کر داد تحسین دینی چاہئے۔ اس معاملہ میں بخالت سے کام نہ لیا جائے۔ کامیابی اور ترقی کے لئے بار بار موقع دیئے جائیں بصورت دیگر وہ ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور یہی حوصلہ شکنی احساس کمتری کا باعث بنجائیگی۔

کسی منصوبے یا ارادے میں ناکامی یا اس کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں بھی آدمی پست ہمت ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ماہرین نے بتلایا ہے کہ اپنی طاقت و ہمت سے بڑھ کر آدمی کوئی منصوبہ نہ بنائے۔ کیوں کہ ناکامی کی صورت میں وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے گا۔

نیز بعض وقت آدمی کچھ ایسی غلطیاں کر جاتا ہے جو سماجی اور اخلاقی حیثیت سے معیوب سمجھی جاتی ہے اور آدمی اس کی


مسجد مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

تلافی کی فکر ہی میں گھلتا جاتا ہے۔ مگر ہمت نہیں کرتا۔ اور یہ جھجک اور پست ہمتی ہی اس کے لئے احساس کمتری کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے۔

عام طور پر دیہاتی زندگی گذارنے والے شہری زندگی کی بہ نسبت زیادہ احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں۔

ایسے مالدار جن سے مال و دولت سلب ہوگئی ہو نسبتہً احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ماہرین نفسیات کے پیش کردہ ان حقائق کی وضاحت کے بعد لازم ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو اساتذہ اپنے شاگردوں کو، تاجر اپنے ماتحت ملازمین کو، احباب اپنے ملنے جلنے والوں کو ایسے غلط احساسات و رجحانات سے بچائیں، اور ہر ایک میں احساس برتری پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہر پست ہمت کو بلند ہمت، ہر سست کو چست، ہر کند کو تند بنانے کی کوشش کی جائے بار بار خوف و وحشت دلانے کی بجائے واہ واہ کہہ کر، اور مختلف طریقوں سے دادِ تحسین دے دلا کر بچوں کی ہمت بلند سے بلند تر کرنی چاہئے تاکہ آگے چل کر یہ بچے اپنے کردار کے بہترین اور اپنی زندگی کے اعلیٰ ترین نمونے قائم کرسکیں۔

قابل مبارکباد ہیں وہ نفوس جو احساس کمتری سے احساس برتری کی طرف پلٹ گئے۔

جس قدر گہری نظر سے ہم انسانی فطرت کا مطالعہ کرینگے اسی قدر ہم اسکی کمتری یا برتری کی صحیح تشخیص کرسکینگے، لہٰذا ہو سکا تو اس مضمون کو اپنی ذات پر بھی منطبق کرکے دیکھئے کہ آپ کے احساسات کیا ہیں؟ اور آپ اپنے آپ کو کیسے محسوس کرتے ہیں۔ برتر یا کمتر؟

بقیہ صفحہ ۴۸ منزل نظر آتی ہے۔ اور زمانے کے رُخ کو موڑ کر نظام الٰہیہ کا قیام کرتا ہے۔ ہر حال میں اُس کا مقصود اللہ و رسول کی رضا ہے۔

فقر حقیقت فکر ہی میں اسکی تخلیق کا راز پنہاں ہے جس کی عقدہ کشائی اس پر لازم ہے وما خلقت الجن والانس الالیعبدون اسی حقیقت کی جانب مشعر ہے، جس نے اس کو پالیا یقیناً اُسے کمال انسانیت کی معراج ہوگئی۔ اور وہ خلیفۃ اللہ علی الارض ہے، اور وہ تخلقوا باخلاق اللہ کے خلعت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

الدعوة الاسلامية الى مملكة اوربا

سيد مصطفى حسين البخاري اللطيفي كروى رئيس السكرٹری للجنة الدائرة المعارف

ان فى اهل الاسلام كثيرا من رجال الله الذين افادوا عباد الله باستفارة فكرهم ودقته نظرهم وعمموا ثقافة الاسلامية فى بلاد الاسلامية بجهد بليغ وكان سعيهم لتعمير الانسانية دائما بغير توقف وانقطاع .... هذا صادق بلاريب ---- ان الاسلام شاع فى انحاء الاقطار واكناف العالم باخلاص صدورهم وصفاء قلوبهم واقتصى جهودهم - هذا احسان عظيم منهم على بلاد الاسلامية والمسلمين - وهم الذين نبهوا الانسان بلذاة الحياة الصالحة الابدية ومقام الانسانة الكاملة الفاضلة - وهم الذين زجروا الملوك على وجوههم وعطفوا الى الخير زمامهم. وكان جهدهم العظيمة لاشاعة الاسلام والامر بالمعروف و النهي عن المنكر للناس اجمعين، قد عملوا على الحديث الشريف الآتي بحقه "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذاك اضعف الايمان" (صحيح مسلم) ما ضيعوا الخطة من الحياة وما دعوا دقيقة من الاوقات الا لغرض الاعلا كلمة الحق فى العالم - وهو الذين لا يخافون فى هذا - لومة لائم ويعرضون الحق على وجوه ملوكهم وكان حياتهم الصالحة تفسير هذه الاية الكريمة - كنتم خير امة اخرجت للناس

فمنهم الشيخ اعلحضرت محى السنة وقامع البدعة ومرشد الامة محى الدين السيد شاه عبد اللطيف القادرى المشهور بقطب ويلور قدس سره العزيز ولد فى سنة ۱۲۰۷ھ اربعة عشر من جادى الثانى فى ويلور علاقة المدراس للهند قد تعلم علوماً كثيرا من والده الماجد قدوة السالكين شيخ المشائخ اعلحضرت السيد الشاه ابو الحسن قادرى محوى قدس سره العزيز ومن الاساتذة الفاضلة

ايها الناظرين فى سنة ۱۸۰۰م

كان العرب والعجم تحت رياسة الوكتورية كانت مملكتها وسيعا جدا يقال "لا تغرب الشمس فى مملكتها وكان تحت رياستها

رؤساءً وملوكًا من المسلمين ولكن ما اجترء احدامنهم لدعوة الملكة الاوربا الى الاسلام وهم كانوا احق لهٰذا الابلاغ وما التفتوا التفاتا كاملًا الى هٰذا الامر العظيم وما توجهوا لتنفيذ شرائع الاسلامية و وتبليغها الى اعنيا رهم كما حقها۔

قد ادى الشيخ المكرم فريضة اعلاء كلمة الحق واشاعة الاسلام حقها وانه قد كتب رسالاة الدعوة الاسلامية فى اللغة العربية والفارسية والهندية والانكلنيرية وفى غيرذلك لرؤساء وملوك البلاد المختلفة من جزائر مليبار وعلاقة ميواز نصران وغير ذلك وارسل مأتة رسلاة الدعوة الاسلامية الى امراء لندن لهدايتهم يقال لهم (لارڈ)

بهٰذا يظهر جلادته وهمته فى تبليغ احكامه الاسلامية لانه كتب الى ملكة الاوربا الوكتورية ودعاها الى الاسلام وهو من رعيتها وما خاف من شوكت الملكة وحشمتها۔

هٰذا مقام الفكر والتحير لان رجلا الذى ليس عنده سلط ولا سلاح ارسل كتابا لهداية الى اللتى هى ملكة وملكة الاوربا وفى يدها مملكة العرب والعجم بقع التلاطم فى بحار المماليك من اشارتها۔

هٰذه هى الرسالة المكرمة

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان من نطفة فجعله سميعًا بصيرًا واعطاه قلبًا منيرًا ثم وهب لمن اراد فى العاجلة نعيمًا ملكًا كبيرًا فربّى بدنه وقلبه ولتربية بدنه صب الماء صبًا وشق الارض شقًا وانبت فيها حبًا وعنبًا وقضبًا وزيتونًا ونخلًا وحدائق غُلبًا وفاكهة وابًا متاعا لكم ولانعامكم ولتربية قلبه ارسل رسلا هداةً الى خالقه وربه۔

ايها الملك! كان عيسىٰ رسول الله و عبده كما كان موسىٰ ومحمد رسول الله وعبده ايّدهما الله بالآيات والمعجزات لتميز الصادق عن الكاذب فى دعوى الرسالات وما كانوا الٰهًا ومعبودًا۔

ايها الملك! جاء عيسىٰ بآيات من ربه يصوّر من الطين كهيئة الطير فينفخ فيه فطيرًا باذن الله ويُبرى الاكمه والابرص ويحى الموتىٰ باذن الله كما جاء موسىٰ يفلق

البحر وجاء محمد بشق القمر فقد جاء وا بالنباء العظيم وقالوا ان الله ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم۔

ايها الملك! كان عيسى مخلوقا من غير الاب كما كان آدم من غير الاب والام فكيف يكون خالقا وربا۔

ايها الملك! كان عيسى عبدا مغلوبا من اليهود وان الله غالب على كل شيئ فالعبد المغلوب كيف يكون الها ومعبودا۔

ايها الملك! يوخذ العبد بذنبه لا بذنب غيره ولا تزر وازرة وزر اخرى فكيف اخذ الله عيسى بذنب امته والقاه في اخذ بعقوبته۔

ايها الملك! اخذ البرئ بذنب غيره ظلم فاحش والله عادل فكيف يكون ظالما سبحانه تعالى عما يقولون۔

ايها الملك بشر يحيى بان النبي الكبير يأتي من بعدي كما في الباب الثالث من متى وكان عيسى نبيا مبعوثا الى بني اسرائيل حاضرا بين يدي يحيى فكيف يكون نبيا مبشرا۔

ايها الملك! ما ادعى احد من الانبياء الذين سبقوا على نبينا محمد بانقطاع النبوة فكيف خلا الزمان الى هذا الامد البعد عن النبي ناصحا امينا۔

ايها الملك! ادعى نبيا بانه نبي مبعوث الى الناس كافة وخاتم الانبياء ولم يات نبي بعده كما ادعاه فكيف لم يكن نبيا مبشرا خاتما۔

ايها الملك! ان الانكار من عمال الملك بغي كذالك الانكار من انبياء الله كفر ان الانكار من نبي الله عيسى كفر كذالك الانكار من نبي الله محمد كفر عصمنا الله تعالى عما ينكرون۔

ايها الملك! ان البغي موجب الافات كذالك الكفر مورث للعقوبات وان في اطاعة الملك وعامله امن وراحة وليس في عيش المطيع ولا في سكوته نقبة كذالك في الايمان بالله ونبيه امان وجنة وليس في دولة الملك ولا في ملكه ثلمة۔

ايها الملك! الدولة الفانية سم قاتل والملك ظل زائل يزول بحادث او وارث فالموت حق والبرزخ حق والبعث حق والحساب حق وعلم الله بالسر والعلانية حق والجنة والنار حق خف من الله تعالى

فانہ خلقك ورباك واعطاك ملكا وبيده الحيٰوة والموت والبعث والحساب والعفو والعقاب و انہ هو الغفور رحيم وان بطشه شديد وعذابه اليم۔

ايها الملك لا تجعل مع الله الٰها اٰخر فتلقى في جهنم ملوما مدحورا۔

ايها الملك ان اهل الكتاب لم يعبدون المخلوق ويذرون الخالق وهم يعقلون و لم يلبسون الحق بالباطل وتكتمون الحق وهم يعلمون۔

ايها الملك۔ انی لا اقول لاهل الكتاب الاٰن تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله، فان تولوا فاشهدوا بانا موحدون

ايها الملك! انی ادعوك الى الله تعالىٰ وتوحيده اسلم تسليم يؤتك الله اجرك مرتين اجرك واجر التابعين فان توليت فعليك اثمك واثم المطيعين۔

ايها الملك! انی لست بنبیّ ولا رسول ولكنی لجدی محمد رسول الله وارث و لامتی حارث۔

ايها الملك! انی لك ناصح امين ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقی الا بالله عليه توكلت واليه انيب۔

ايها الملك: ما اسئلك عليه من اجران اجری الا على رب العالمين۔

من محی الدين وارث خاتم النبيّن الى الملكة الوكتوريه واركان المشورة و سائر العيسويون هداهم الله الى سبيل الرشاد وحماه عن كل شرٍ وفسادٍ۔

فارسلت الملكة فی جوابها اننی اعترف الاسلام ولكن عجزت عن قبوله لبعض اموری وافتخر دائما على ان فی مملكتی الوسيع من الهند رجل صادق الوعد و داعی الى الحق ارسل الى رسالة لدعوة الاسلام لقبوله۔

ان الشيخ المحترم والمكرم اكمل لمحاة الحياة الصالحة فی اعلاء كلمة الحق من التصنيف والتاليف والتحرير والتقرير بعد ذلك فی سنة ١٢٨٨ھ۔ من اربعة شوال المكرم عزم الحج ثم بعد فراغ اركان الحج وصل الشيخ الى ربه تعالىٰ وتقدس فی اثنی عشرة من محرم الحرام كان مدفنه فی جنة البقيع من المدينة المنورة عند مرقد

سيدنا امام الحسن رضی الله تعالىٰ عنه كما بشره النبی صلی الله عليه وسلم " يا ولدی لا تحزن انت من ارضنا "۔

دعوتِ اسلام ہندی راجاؤں کے نام

از سید العارفین حاجی الحرمین حافظ القرآن حضرت مولانا محی الدین
سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف قطب ویلور

ملکۂ وکٹوریہ اور انگلستان کے نوابوں کے نام دعوت اسلام روانہ کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کو دعوتِ اسلام دی۔ دکنی زبان میں دعوت کا مسودہ جو حضرت ہی کے ہاتھوں کا تیار کیا ہوا ہے بعینہٖ افادۂ ناظرین کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ ہندوستان کے جتنے راجاؤں کے نام دعوت نامہ روانہ کیا گیا سب کا مضمون ایک ہی ہے۔

ایجاد نگر کے راجہ کے نام ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ کو لکھکر ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو سید علی کی معرفت روانہ کیا۔ اور ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ صبح کو نگرد اور کالیسترونٹ گری کے راجہ کے نام لکھکر سید حفیظ الدین سورتی کے معرفت روانہ کیا۔ اور ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو ترونذرم اور کوچین کے راجہ کے نام کسی اور ذریعے سے دعوت نامہ روانہ کیا۔

سب تعریف اللہ کو ہے جس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا اور شنوا اور بینا بھی کیا۔ پھر دل ہوش والا دیا۔ اور راجہ بھی بنایا۔ پھر انسان کے تن کو پالنے مینہ برسایا اور قسم قسم کے اناج اور میوے اور زیتون اور گدّے اور گرٹ د (گھنے) باغ اور گھانس بھی اُگایا تا اس کو اور اس کے چارپایوں کو کام آئے۔ اور دل کو انسان کے پالنے پیغمبروں کو بھیجا، تا پہچانت (معرفت) اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے ہارے کی سکھادے، پھر پیغمبروں کی سچوٹی (سچائی) کیلئے معجزات دیا، جیسا کہ معجزہ شق القمر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور معجزہ مردے جلانے کا، عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور معجزہ بحر احمر میں پارباٹ (عبور کرنا) کرنے کا موسیٰ (علیہ السلام) کو۔ یہ سب پیغمبران علیہم الصلوٰۃ و السلام خدا کے مقرب بندے تھے۔ اور خدا ہی کو پوجا کرتے اور کراتے تھے۔

اے راجہ۔ یہ مورتاں جماد ہیں۔ بے جان تو رڑی پھوڑی تو اپنی کو نہیں بچاتی ہیں۔ ہم کو کیا بچاوینگی۔

اے راجہ۔ یہ مورتاں نہ سماعت (کان) رکھتی ہیں، نہ بصارت (آنکھ) آواز ستار اور سارندی (سارنگی) کا کیا سنتی اور ناچ کیا دیکھتی۔

اے راجہ۔ یہ مورتاں کو نہ ہات کرنے کا ہے اور نہ پاؤں چلنے کا، نہ دل حاجت روائی کا۔ ہات اور پاؤں اور دل والا انسان اپنے پیدا کرنے والے، اور پالنے والے کو چھوڑ کر، یہ مورتاں کو پوجا کرنا اور مراد ان سے مانگنا بڑی بے عقلی ہے۔

اے راجہ۔ یہ مورتاں نہ کسی کو نفع پہونچاتی ہیں، نہ نقصان،

گدھا مورتوں سے پیٹ لگڑتا ہے اور کتا اُنھ پہ پیشاب کرتا ہے۔ انسان کا ہوش میں حیوان سے کم ہونا اور پوجا مورتوں کا کرنا بڑی نادانی ہے۔

اے راجہ[۵]! جیسا جسم کی کثرت میں حاکم ایک ہی جان ہے ویسا اجسام و ارواح کی کثرت میں حاکم ایک ہی خدا ہے۔ پھر جیسا جان جسم میں مخفی ہے، ویسا ہی خدا اجسام وارواح میں مخفی ہے۔ (یعنی جیسا شخص عکس میں مختفی ہے کہ یہہ ازراہ نزول ہے نہ ازراہ حلول کیونکہ نزول میں نہ تغیر و تبدل ہے، نہ تجزی و تقسیم، نہ حلول و اتحاد، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ینزل ربنا الی السماء الدنیا) جیسا جان کو جسم سے پہچانتے ہیں، ویسا خدا کو اجسام اور ارواح سے پہچانتے ہیں۔ پھر جیسا پرورش جسم کی جان سے ہے ایسا پرورش سب اجسام و ارواح کے خدا سے ہے۔ لیکن پیدا کرنا خاص خدا ہی کا کام ہے کسی مخلوق کو پیدا کرنے میں دخل نہیں، سب مخلوق مل کر ایک تل کا دانہ بنانے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ انسان کا ایسے خدا کا پوجا چھوڑنا اور پوجا مورتوں کا کرنا بڑی بے انصافی ہے۔

اے راجہ[۶]۔ یہ مورتاں اپنا پوجا کرنے کے لئے زبردستی نہیں کرتے، بلکہ چاہتے بھی نہیں، اور پوجا مورتوں کا چھوڑے تو ملک اور دولت اور عیش اور آرام میں خلل بھی نہیں۔ پھر انسان کا بے سبب خدا کا حق مورتوں کو دینا اور پوجا حق کا چھوڑ کر پوجا مورتوں کا کرنا بڑی نمک حرامی ہے، کھانا کس کا گانا کس کا۔

اے راجہ[۷]۔ دنیا فانی سم قاتل ہے، اور ظل ملک زائل ہے، زوال پاتا ہے۔ حادث سے یا بدل جاتا ہے وارث سے۔ پس موت حق ہے۔ اور حساب حق ہے۔ اور جاننا اللہ کا ظاہر و باطن انسان کے حق ہے۔ اور جنت و دوزخ حق ہے۔ ڈرو تم اللہ سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پالا اور ملک دیا اور اسی کے ہاتھ میں ہے حیات اور ممات اور قیامت اور حساب اور عفو اور عذاب، بے شک خدا غفور رحیم ہے۔ اور بے شک مواخذہ اس کا دردناک اور شدید ہے۔

اے راجہ[۸]۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ شریک ٹھہرانے والا دوزخ میں پڑے گا۔ پھر ملوم اور حق کے رحمت سے دور رہے گا۔

اے راجہ[۹]۔ میں بلاتا ہوں تم کو خدا کی طرف اور خدا کی توحید کی طرف، تم قبول کرے تو سلامت رہو گے۔ خدا اجر دیوے گا تم کو دُہرا اجر تمہارے اور تمہارے تابعین کا، قبول نہ کرے، تو تمہارے اوپر ہے گناہ تمہارا اور تمہارے متبعین کا۔

اے راجہ[۱۰]! یہ مورت والے کس لئے حق کو لباسِ باطل کا پہناتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں جانتے بوجھتے۔

اے راجہ[۱۱]، مورت والوں کو میں یہی بولتا ہوں کہ آؤ ایک بات پر جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے میں، یہ کہ پوجا نہ کریں کسی کو سوائے خدا کے، اور شریک نہ ٹھہرائیں خدا کے سات (ساتھ) کسی کو اور نہ پکڑیں خدایاں (یہاں) ہم مخلوقات کو اور یہ بات قبول نہ کریں تو گواہی دیو اس بات پر کہ ہم موحد ہیں۔

اے راجہ[۱۲]! میں نہ نبی ہوں نہ رسول ولیکن میرے جد محمد رسول اللہ کا وارث ہوں اور آخرت کا حارث۔

اے راجہ[۱۳]! میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر، میں یہی چہتا ہوں سنوارنا جہاں تک ہوسکے۔ اور بن لانا ہے اللہ سے اس پر بھروسا کیا، اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔

اے راجہ[۱۴]! میں تم سے نہیں مانگتا ہوں اس پر مزدوری، میری مزدوری رب العالمین پر ہے۔

اے راجہ[۱۵]! ہمارے اللہ کو پکارنے والے اور پالنے ہارا کو تو ہے تو مشکل آسان ہوسکتا ہے، ایسے سکت والے کو چھوڑ کر بے سکت مورتوں کو پکارنا اس سکت والے کے پاس بڑی خرابی ہے۔

یہ اظہار

محی الدین وارث محمد سید المرسلین کا اپنے بھایاں اور ہوش والے آدمیاں کے لئے ہے، خدا اُن کو سبیل رشاد بتاوے، اور ہر شر و فساد سے بچاوے۔ ۱۲

محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری

بقیہ صفحہ ۴۳

كما انشده امير المؤمنين علي كرم الله وجهه :-

ليس الجمال باثواب تزينها ان الجمال جمال العلم والادب ، وقال ايضًا

ليس اليتيم قد مات والده ان اليتيم يتيم العلم والادب

والعلم يشكر لرجل نعمة الله وبالجهل يكفر آلاء الله ، كما قيل

العلم بالله جماع الشكر الجهل بالله جماع الكفر

ونحن نرى في عصرنا الحاضر ان الثقافة الاسلامية ترقت على اعلى المراكز بجث النبي صلى الله عليه وسلم وتشديده عليه وأن الصحابة والتابعين هم باحسان الى يوم القيامة اجتهدوا في جمع علوم الدين ونشره وفانوا في مراسم وتركوا لنا اساسا لا يستطعون اعداء ديننا قاطبة لفناءها ونا صيلها لأن الله عز شانه وعن في كتابه المتين (نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

اسلام اور پردہ

از ڈی کیف فیاض محی الدین بھٹکلی
متعلم زمرۂ سادسہ
دار العلوم لطیفیہ

ناظرین! اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اہل دنیا کے سامنے ایسے زرین اور دائمی اصول پیش کئے، جس کی دنیا قیامت تک مرہون منت رہے گی اور یقیناً اس کے آگے ہمیشہ اس کا سر جھکا رہے گا جس کے اصول وضوابط نے ہر زمانے میں انسان کو روح نو عطا کی ہے۔ اس کے ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حال یا مستقبل میں دنیا کی جو قوم یا قوم کا جو کوئی فرد اس پہ عمل پیرا ہوگا، یہ ممکن نہیں کہ اسے منزلِ مقصود نہ ملے اور کامران وکامیاب نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ مقام پر گامزن ہوگا۔

اسلام ہی ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے

جس میں عقائد وعبادات واخلاقیات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل واحکام تفصیلاً موجود ہیں۔

جس کو اپنا لینے کے بعد انسان پُرسکون وپُرامن زندگی بسر کرسکتا ہے۔ ان معاشرتی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ پردہ بھی ہے، مضمون ہذا میں اجمالاً پردے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کے نزدیک اسکی کیا حیثیت ہے، اور کوتاہ اندیشوں نے اس پر کیا اختلاف کیا ہے۔

پردہ ایک ایسی شئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے مہلک جرائم کا انسداد ہوتا ہے۔ سب سے پہلے جو پردہ ہونا چاہئے، وہ آنکھ کا پردہ ہے، یہی تمام ذمائم کا منبع ومبداء ہے۔ جس کو شیطان کے تیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جب اس دروازے کو مسدود کر دیا جائے گا تو یقیناً اس کے ذریعے سے پیدا ہونے والے فتنے خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ شہید صفی پوری نے رسالہ حریم کے اندر پردہ پر بحث کرتے ہوئے بجا اور حق لکھا ہے کہ:- "پردہ ایک صالح نظامِ فکر کا جزو ہے اور اطمینان نفس کا آئینہ دار اور فیشن ایک دورِ انحطاط کی پیداوار ہے اور جذباتیت، تلون مزاجی وفکری بلندی کے فقدان کی علامت ہے۔ پردہ ایک اخلاقی اصول ہے جس کا مقصد عورت کے حسنِ ظاہری کی حفاظت اور حسنِ باطن کی تزئین، اور بے پردگی فیشن ایک ایسا تقلیدی واضطراری فعل ہے جس سے عورت کے حسن کی نمائش کی کوشش زیادہ تر مضحکہ خیز نتائج کی صورت میں رونما ہوتی ہے۔

اور جس سے سو فیصدی عورت کے اخلاقی معیار میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پردہ ایک اخلاقی اصول کی حیثیت سے جذبات کا تزکیہ کرتا ہے اور اعتدال اور میانہ روی کے راستہ پر چلاتا ہے۔

آج کے اس دورِ جدید میں اسلام میں پردہ کے رواج کو ایک مضحکہ خیز انداز میں دکھایا جاتا ہے اور اسلام پر طعن،

کیا جاتا ہے۔

وہ اسلامی ممالک کے بعض شعوبیوں کا دعویٰ ہے کہ بعض اسلامی ملکوں کے انحطاط کا سبب عورتوں کا پردہ ہے کیونکہ وہ زندگی کے مادی اور عقلی میدان میں ان کو مردوں کے مقابلے سے روکتا ہے اور پردہ سے کاہلی سستی اور بہیمیت کی زندگی ان کے لئے مرغوب بنا دی ہے جس سے گھریلو زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا ہے۔ اور اولاد کی تربیت کی جانب توجہ باقی نہ رہ گئی۔

عورتوں کو خاص آلۂ تفریح اور ان کی دلچسپی کا کھلونا بنانے کی وجہ سے مسلمانوں پر مسلسل انحطاط طاری ہوگیا اور فطرت نے جو عورتوں کو صلاحیتیں عطا کیں ان سے فائدہ اٹھانے سے پردہ نے عورتوں کو روک دیا اور شریعت نے ان کا گلا گھونٹ کر قوم کے آدھے حصہ کا اجتماعی جدوجہد میں حصہ لینے سے محروم ومعطل کر دیا۔

اگر تاریخی حقائق اور عقل سلیم کی روشنی میں دیکھا جائے تو یقیناً شعوبیوں کا نظریہ اسکی خام خیالی اور حماقت ہے۔

(اسلام اور عربی تمدن صفحہ ۸۶)

اس کے ساتھ ساتھ وہ آزاد خیال مسلمان جو اس کے متعلق سیاسی معاشرتی وعمرانی نقطۂ نظر سے فلسفیانہ دلائل پیش کرتے ہیں، شرعی استدلالات اور احکام اسلامی کی گوناگوں تاویلیں کرتے ہیں ان کے خیالات بھی ملاحظہ کرتے چلئے:۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کیلئے شریعت نے جو حد مقرر کی ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے چہرے اور ہاتھ اور قدموں کو کھلا رکھنے کیلئے ہر وقت ہر جگہ آزاد ہے۔

اور آیت حجاب کا مقصود یہ ہے کہ چہرہ ہاتھ اور قدموں کے علاوہ جسم کا کوئی دوسرا حصہ بے حجاب نہ ہونے پائے۔ اعضاء مذکور کے علاوہ بقیہ جسم ستر ہے۔ اس لئے اگر کوئی مسلمان عورت خارج از ستر اعضاء کو آزادانہ کسی اجنبی کے سامنے کھولے تو شرعاً نہ کوئی جرم ہے نہ گناہ ہے۔ (پردہ اور اسلام ایوب اصلاحی)

اس کا جواب انہیں یوں دیا گیا ہے کہ حکم الٰہی ومنشاء نبوی یہ ہے کہ مسلمان عورت اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ کسی اجنبی کے سامنے ظاہر نہ کرے، اس لئے کہ اس کا پورا جسم راز قدرت ہے جس پہ اطلاع کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جس کو خدا کی طرف سے اس کا مجاز گردانا گیا ہو۔

اس راز کے ادنیٰ سے ادنیٰ جزو کو بھی کسی غیر محرم پہ ظاہر کرنا قدرت کی مجرمانہ خیانت ہے۔ عہد نبوت سے پہلے بھی علمائے تحقیق نے پردے کی اسی نوعیت پر اتفاق کیا ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہیں، کہ شریعت عورت کا کوئی بھی حصۂ جسم ظاہر کرنے کی اجازت نہیں، دیتی ہے۔ اس کا پورا جسم ستر ہے جس کو اجنبی کے لئے دیکھنا ناجائز اور ممنوع ہے۔

پردے کے متعلق اسلامی احکام

اسلام کے نزدیک عورت شمع خانہ ہے۔ اسلام نے عورت کے دائرہ عمل کو گھر کی چار دیواری تک متعین کر کے اس کو شیطانی ہوسناکیوں کا شکار ہونے سے محفوظ کر دیا۔

قرآن عظیم ناطق ہے:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ
اٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب)

(ترجمہ) اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو اور اپنا بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دکھانا دستور تھا۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں دو باتوں کا صراحتہً حکم ملتا ہے کہ عورت کا اصل میدانِ عمل گھر کی چہار دیواری ہے اور دوسرے زمانۂ جاہلیت کے بناؤ سنگار اور غیروں کو دکھاتے پھرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا بغیر کسی حاجت و ضرورت کے باہر جانا سیر و تفریح کرنا اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کرنا اس کیلئے کسی طرح جائز نہیں۔ بلکہ یہ سراسر جرم و خیانت ہے۔

اسلام نے اس معاملہ میں نہایت تشدد سے کام لیا ہے اور اس کی پوری پوری بیخ کنی کی ہے۔

وہ آیتیں جس کے پردے کے احکام ثابت ہوتے ہیں حسبِ ذیل ہیں:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ
وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِ
هِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ
زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ
زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ
اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ
غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا
یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ
زِیْنَتِهِنَّ (النور)

(ترجمہ) اے نبی مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے یقیناً اللہ جانتا ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں، اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل مار لیا کریں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کرے، مگر ان لوگوں کے سامنے۔ شوہر۔ باپ۔ خسر۔ بیٹے۔ سوتیلے بیٹے، بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے اور اپنی عورتیں اپنے غلام، وہ مرد خدمتگار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کی پردہ کی باتوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ (نیز ان کو حکم دو کہ) چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (آواز کے ذریعہ سے) اس کا اظہار نہ ہو!

اور ایک جگہ کلام اللہ میں مذکور ہے:- یا ایها النبی
قل لازواجك و بنتك و نساء المومنين
يدنين عليهن من جلابيبهن ذالك
ادنى ان يعرفن فلا يوذين (الاحزاب)

(ترجمہ) اے نبی اپنی بیویوں سے اور بیٹیوں سے، اور

مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کیجاتی ہے، وہ پہچانے جائیں گے اور ان کو ستایا نہیں جائے گا۔

مذکورہ آیات پر غور و فکر کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مردوں کو صرف اپنی نگاہیں پست کرنے اور عصمت وعفت کی تاکید کی گئی ہے۔

اور عورتوں کو غض بصر اور عفت عصمت کے علاوہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ زمین پر اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے زیب و زینت بناؤ سنگار ظاہر ہوتے ہیں اور واضح کر دیا گیا کہ وہ کن لوگوں کے لئے پردہ نہ کرے گی۔

آیت میں جو غض بصر کہا گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اپنی نگاہیں پست رکھیں اور کبھی اوپر نہ اٹھائیں، بلکہ دراصل یہ بتانا مقصود تھا جس کو حدیث میں آنکھ کا زنا کہا گیا ہے۔

لیکن جب تک اس دنیا میں انسان رہے گا، یہ ممکن نہیں کہ اسکی نظر کسی چیز پر نہ پڑے بلکہ ضرور پڑے گی۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی مرد عورت، اور عورت مرد کو نہ دیکھ سکے۔ اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی نظر معاف ہے، اور دوسری نظر ڈالنا یہ جرم ہے۔ جیسے حدیث ہے۔

(۱) عن جریرۃ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نظر الفجاءۃ فقال اصرف بصرك (ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے کیا کروں تو آپ نے فرمایا نظر پھیر لو۔ (ابوداؤد)

(۲) عن بریدۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لك الاولی ولیس لك الاخرۃ (تکملہ فتح القدیر)

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، فرمایا ایک نظر کے بعد دوسری نظر ڈالو، پہلی نظر تمہیں معاف ہے اور دوسری نظر کی اجازت نہیں۔ (تکملہ فتح القدیر)

لیکن بعض مواقع ایسے درپیش آتے ہیں کہ عورت کی طرف نظر کرنا ضروری ہو جاتا ہے کسی طبیب کا مریض کو بغرض معالجہ دیکھنا۔ اسی طرح اجنبی عورت کو نکاح کے لئے دیکھنا اور تفصیلی نظر کے ساتھ دیکھنا صرف جائز نہیں بلکہ احادیث میں اس کے احکام پائے جاتے ہیں۔

(۱) عن المغیرۃ ابن شعبۃ انہ خطب امراۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انظر الیھا فانہ احوی ان یؤدم بینکما۔

(ترجمہ) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ اس کو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کیلئے مناسب تر ہے۔

(۲) وعن سھل ابن سعد ان امراۃ جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ جئت لاھب لك نفسی فنظر الیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصعد النظر الیھا (بخاری)

سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ میں اپنے آپ کو حضور کے نکاح میں دینے کے لئے آئی ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھایا اور اس کو دیکھا

غض بصر کا حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کو نظر اٹھا کر نہ دیکھیں، جس کا اثبات حسب ذیل واقعہ سے ہو رہا ہے کہ :-

ایک مرتبہ ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابن ام کلثوم آئے جو نابینا تھے، حضور نے ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں، نہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم انہیں نہیں دیکھتی ہو۔ (ترمذی)

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ ایک خاتون ام خلاد کا لڑکا ایک جنگ میں شہید ہو گیا تھا اور وہ اس کے متعلق دریافت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی، بعض صحابہ نے حیرت سے کہا اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب ہے۔ بیٹے کی شہادت سن کر ایک انسان کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا ہے اور تم اس اطمینان کے ساتھ باپردہ آئی ہو۔ جواب میں کہتی ہیں :-

"میں اپنا بیٹا تو ضرور کھو دیا ہے مگر حیا جیسی نعمت نہیں کھوئی۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درخواست دی۔ آپ نے پوچھا، یہ ہاتھ عورت کا ہے یا مرد کا۔ اس نے عرض کیا عورت کا ہے۔ آپ نے فرمایا عورت کا ہاتھ ہے تو کم از کم ناخن میں مہندی سے رنگ لئے ہوتے۔

اتنی گفتگو کے بعد بات واضح ہو گئی کہ عورت کسی طرح شمع انجمن بننے کی اہل نہیں بلکہ ہر حال میں اس کے لئے گھر کی چہار دیواری فلاح و بہبودی کا سبب ہے۔

آج کل کے آزاد خیال مسلمانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ غور و فکر سے کام لیں تو وہ اپنے نظریہ و غلط روی سے باز آسکتے ہیں۔ اور حقیقت ان پر آشکارا ہو سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

لا یبقیٰ علیٰ ظہر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام الخ (الحدیث)



ہندوستان میں اشاعتِ اسلام

از سید مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڑپوی
متعلم وجنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
دارالعلوم لطیفیہ ویلور

دُنیا کے بیشمار مذاہب میں مذہب اسلام اپنے عالمگیر اصول کے تحت ایک امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ یہ کسی قوم نسل، یا ملک کے لئے خاص نہیں اور نہ اس کی وسیع النظری، لونی، صوبائی، علاقائی اور جغرافیائی حدود کی قائل ہے۔

جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پہ بسنے والوں کے وردِ زبان ہوتا ہے وہی ہزاروں بلکہ ہزاروں میل خطوں میں رہنے والے مسلمانوں کی زبانوں سے سنا جاتا ہے اور اس میں سرِمُو فرق نہیں ہوتا۔ کانوں میں رس گھولنے والی وہ میٹھی آواز جو حرم پاک ور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلند میناروں سے اُٹھتی ہے، وہی آواز ہر روز پانچ مرتبہ ایشیا، یوروپ، افریقہ، آسٹریلیا، امریکہ کی مسجدوں سے بلند ہوتی ہے۔ ہر شخص بلا امتیاز لون، نسل، وطن ایک ہی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔ اسلام کے اس مستحکم اصول وحدت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ دنیا کے ہر گوشہ میں اپنی امتیازی شان کے ساتھ باقی ہے۔ دنیا کا ہر مسلمان اصولِ اسلام کی مضبوط زنجیر میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔

اسلام نے اپنے متبعین کے افکار میں وحدت پیدا کی اور ان کو جائز حدود میں رہ کر ترقی کرنے کی مکمل آزادی دی، اور فطری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے بہترین موقع عطا کئے یہی وہ خصوصیتیں ہیں جو مذہب اسلام کو جزیرۂ عرب سے نکال کر ساری دنیا میں مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب تک پہنچا دیا۔

ایک جرمن مفکر کہتا ہے کہ اسلام کے پھیلنے کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ وہ انسان کو ضمیر کی آزادی دیتا ہے، اُسے دنیا میں سے جائز طور پہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی نجات کا یقین دلاتا ہے، وہ اسکی ترقی کے راستوں کو بند نہیں کرتا بلکہ کھولتا اور کشادہ کرتا ہے۔

(مقالہ بحوالہ محمد ظفر اللہ خان)

جب مسلمان اسلام کی ان خصوصیتوں کو لیکر مختلف صورتوں میں مثلاً، تاجر، فاتح اور مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل

ہوئے تو لوگ ان کے اس نئے مذہب کے دل پذیر فطری اصول کو دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوئے۔ اور مسلمانوں کی صداقت بھری گفتگو، عدل پرور معاملات، ایمان افروز بیانات نے اسلام کی حقانیت پر کامل یقین پیدا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ لوگ اس کی جانب جھکنے لگے۔

اب آیئے، ذرا ہندوستان اور اسلام کا مختصر سا جائزہ لیں۔

مسلمان تاجر اور ہندوستان

عرب تاجرین زمانۂ اسلام سے قبل ہی ہندوستان کے ساحلی علاقے، مثلاً کاٹھیاواڑ، گجرات، سندھ، مالابار، مدراس، بنگال میں تجارتی مال و اسباب لاتے اور لے جایا کرتے تھے۔ جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو عربوں نے اس سے استفادہ کیا اور تجارتی مال و اسباب کے ساتھ ہندوستان کے ساحلی علاقوں پہ ایک انمول جوہر کے ساتھ نمودار ہوئے اور تجارتی کاروبار کے ساتھ وہ لوگوں میں دین حق کے پھیلانے میں بھی بہت زیادہ کوشاں رہے اور تجارتی حلقوں سے باہر بھی نور اسلام پھیلاتے رہے۔ اس طرح ان کی تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ اسلام بھی اپنی معنوی خوبیوں کے تحت پھیلتا چلا گیا۔ بہت سے لوگ اسلام سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔

فاتحین اسلام

محمد بن قاسم ۹۲ھ میں ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ اور ملک سندھ میں اسلامی حکومت قائم کی اور وہاں کی رعایا کے ساتھ انتہائی روادارانہ سلوک سے پیش آئے۔ ان کی جان و مال کی حفاظت کی، ان کو امان دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے مندروں کی حفاظت کی۔ اور بہت سی جائدادیں جاگیریں مندروں میں وقف کر دیا۔ غیر مسلم رعایا جو اس کی فتح سے لرزہ براندام تھی، اور موت ان کی نظروں میں گھوم رہی تھی، محمد بن قاسم کے حسن سلوک نے ان کی زندگی میں نئی روح پھونک دی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہاں کی پوری قوم ان کی شیدا ہو گئی۔ چنانچہ جب خلیفہ کی طلبی پر آپ جانے لگے تو ساری قوم بیقرار ہو کر تڑپ اٹھی۔ تاریخ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ شاہان اسلام اور مسلم امراء نے ہندوستان میں بے شمار مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے اور ان میں جائدادیں وقف کیں اور مبلغین اسلام علماء و مشائخ کی پوری تائید کی اور ان کے لئے وظیفے مقرر کئے تاکہ وہ سکون و اطمینان سے اپنے کام کو جاری رکھیں۔ فاتحین سے اسلام کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا، کہ غیروں کو اس سے قریب ہو کر اس کے صحیح خد و خال دیکھنے کا موقعہ ملا۔ غرضیکہ سلاطین اسلام کی ذرہ نوازی، عدل پروری، راست گوئی، رحمدلی، بے تعصبی نے انہیں ان کے مذہب کا گرویدہ بنا دیا۔

مبلغین اسلام

مذکورہ دو جماعتوں کی بہ نسبت مذہب اسلام کو علماء کرام، صوفیائے عظام سے بہت فائدہ پہنچا۔ انہیں کی بلیغ کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مذہب اسلام دنیا کے ہر چپہ میں خصوصاً ہندوستان کے ہر علاقہ میں نظر آ رہا ہے۔ انہوں نے اشاعت اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کیں۔ اپنے ہر آرام و سکون کو ترک کر کے ہر طرح سے اعلائے کلمۃ الحق میں قربانیاں پیش کرتے رہے۔ دنیائے اسلام ان کے عظیم احسان کو کبھی نہ بھلا سکے گی۔

ہندوستان کے ساحلی علاقے جیسے ہی اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے جلیل القدر علماء کا مشن بھی حرکت میں آ گیا۔ جہاں جہاں

اسلامی سلطنتیں قائم تھیں ان علاقوں کی اصلاح کے لئے یہ لوگ نکل پڑے چنانچہ علامہ شبلی فرماتے ہیں :-

اسلام جب عرب سے نکل کر دور دور ممالک میں پھیلا تو اکثر عرب کے خاندان ہجرت کر کے ان ممالک میں چلے آئے۔ ان میں سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نسل سے، ایک بزرگ ہرات میں آئے اور یہاں سکونت کی، ان کے خاندان سے ایک بزرگ علاؤ الدین انصاری ہندوستان آئے ...... انکی نسل سے شیخ نظام الدین سہالی میں .. مستقل سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔

اسطرح سب سے پہلے ہندوستان کے جنوب ملیبار میں اشاعت اسلام کے لئے حضرت مالک دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ آپ کی تائید علی راجہ نے کی۔ ان دو شخصیتوں اور دیگر حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ ملیبار میں آفتاب اسلام کی کرنیں ضوفگن ہوگئیں۔ حضرت مالک بن دینار کے بھتیجہ حضرت مالک بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کولم میلی مارادلی۔ کنور، بنگلور کاسرکوڈ، جرفتن، شالیات میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اور دائرۂ اسلام کو وسیع تر کرتے چلے گئے۔

لما دخلوا مليبار وعمروا المساجد فى البنادر المذكورة وفشى فيها الاسلام

(تحفۃ المجاہدین)

سنہ ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ سے ارور کے راجہ نے فرمائش کی کہ اسلام کو سمجھنے کیلئے ایک جید عالم کو روانہ کریں۔ راجہ کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے حاکم منصورہ نے ایک عراقی عالم کو انتخاب فرمایا جو عربی زبان کے ساتھ سندھی زبان کے بھی ماہر تھے موصوف نے سندھی زبان میں ایک تفسیر لکھی جسکو ہندوستان میں سب سے پہلی مسلمانوں کی تصنیف۔ کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے ہندوستان میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

محمد بن ابی شوارب قاضی منصورہ سنہ ۲۸۳ھ میں عراق سے ملک سندھ چلے آئے اور یہیں آباد ہوکر دینی کاموں میں مشغول ہوگئے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ملیبار کالیکوٹ کے مضافات میں فنان نامی ایک شہر آباد کیا گیا۔ جو عرب و عجم کے علماء و مشائخ کا مرجع تھا جس میں علوم عربیہ کی باقاعدہ تعلیم جاری کی گئی جس نے آگے چل کر مرکزی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

حضرت شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی (پیدائش سنہ ۹۰۹ھ وفات سنہ ۹۷۴ھ) ملیبار میں تشریف لاکر اس مدرسہ میں درس تفسیر و حدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

اشاعت اسلام کا کام صوفیاء کرام نے جس نہج سے شروع کیا اور ان کی ذات سے مذہب اسلام کو جو نفع پہنچا ہے، یہ تاریخ کا زریں باب ہے۔ ان کا طریقۂ کار نہایت، موثر اور نفسیاتی اصول پر مبنی تھا۔ ان بزرگوں۔ نے غیر ممالک سے ہندوستان آنے کے بعد یہاں کی علاقائی زبانوں میں نہایت ہی سلجھے ہوئے انداز میں اسلامی اصول کو پیش کیا۔ غیر مسلم جو توہم پرستی کا شکار ہوکر کئی خداؤں کی عبادت میں غرق تھے، ان حضرات کی خوش خلقی، پاک طینت اور رنگ و ہدایت نے بہت گہرا اثر

ڈالا۔ ہندوستان میں سب سے پہلے صوفی شیخ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغ کا کام شروع کیا اور ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۱۰۷۲ھ نے جو داتا گنج بخشؒ سے مشہور ہیں۔ حضرت شاہ حسین زنجانی کے جانشین ہو کر تشریف لائے اور ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر سب سے پہلے ولایت پنجاب کے نائب ناظم رائے راجو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت نے ان کا نام شیخ ہندی منتخب فرمایا۔ آپ متواتر چونتیس ۳۴ سال تک ہندوستان میں اشاعت اسلام میں مشغول رہے۔ ہزارہا گمراہ بے دینوں کو صراطِ مستقیم پر لائے۔ اور سینکڑوں صوفیوں کی تربیت فرما کر ہر سمت روانہ فرما دئے۔

آپ کے بعد کبار اولیاء میں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری المعروف بہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ محرم ۵۶۶ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۱۶۵ء میں ملتان تشریف لائے اور وہاں سے لاہور تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ چند دنوں چلہ کیا پھر وہاں سے اجمیر کے لئے روانہ ہوئے اور اسی کو آپ نے اپنے تبلیغی مشن کا مرکز بنایا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں آدمی ایمان لائے۔ آپ کی ذاتِ بابرکت سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ ہندوستان کا کونہ کونہ نعرۂ توحید سے گونج اٹھا۔

آج بھی ہندوستان میں ایسے حق پرست علماء اور مشائخ موجود ہیں جو شب و روز اسلام کے عروج و ارتقا کے لئے مصروف عمل ہیں، خدائے بزرگ و برتر اپنے حبیب صلعم کے صدقے میں انہیں کامیابی عطا فرمائے اور ہم تمام مسلمانوں کو سعادتِ دارین سے نوازے۔ آمین بجاہِ سید المرسلینؐ۔

تاریخِ تصوّف پر ایک نظر

از
محمد طیب الدین
اشرفی مونگیری

یہ حقیقت ہے کہ تصوّف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانے میں موجود تھا گو کہ اس وقت میں نہ اس کا علیحدہ کوئی نام تھا اور نہ یہ صورت تھی جو تبع تابعین کے دَور کے بعد ہوئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمعات میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دین اسلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ جہاں تک دین کی ظاہری حیثیت کا تعلق ہے وہ ان اعمال واحکام سے ہے جن سے فرد اور جماعت کی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے اور مصلحتِ عامہ کی نگہداشت اور اسکی دیکھ بھال اس کا مقصود ہے۔ اور اسلام کی باطنی حیثیت انسان کی اوامر ونواہی سے جو اس کے دل میں کیفیات معنوی پیدا ہوتی ہیں وہ اس کا مقصود اور نصب العین ہے۔

وہ بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے شریعت کی حفاظت کی استعداد ملی تھی وہ ظاہری شریعت کے محافظ بنے۔ یہ فقہاء و محدثین، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے، جو مختلف طریقوں سے لوگوں کو علوم دین کی تحصیل کی جانب ترغیب دلاتے رہے۔ اور دین کے محافظین کا دوسرا گروہ جسے اللہ تعالیٰ نے دین کے باطن کی حفاظت، جس کا دوسرا نام احسان ہے استعداد عطا فرمائی ہے اور یہ بزرگ عامۃ الناس کو طاعت ونیکوکاری کے جن کاموں سے نفس پر اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں اور دلوں کو اُن سے لذت ملتی ہے، ان کاموں کی جانب دعوت دیتے رہے۔ انتہیٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور انہوں نے بجائے ریاضت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو کافی سمجھا اور شریعت کے ظاہری اعمال واحکام ہی کو مدنظر رکھا۔ اور اسی کی پابندی کے ضمن میں اپنا کل مقصود پاتے رہے۔ اسطرح دورِ صحابہ میں تابعین عظام کا حال رہا۔ وہ صحابۂ کرام کی صحبتوں سے فیضیاب ہوکر ظاہری اعمال ہی کی درستگی میں کوشاں رہے، جس کے تحت وہ باطنی زندگی کی وہ تمام کیفیتیں جو تصوّف کا حقیقی مقصد ہے حاصل کرتے رہے اور اس کی جانب خاص توجہ کی چنداں ضرورت نہ پڑی۔ اور ان کے نزدیک قرب کا یہی ذریعہ کافی تھا۔ جیساکہ عوارف المعارف الشیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ہمعات لشاہ ولی اللہؒ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

تذکرۃ السلوک میں ہے کہ تابعین کے بعد جب امۃ مسلمہ مختلف طبقوں میں بٹ گئی، ہر طرف تفرقہ بندیاں شروع ہوگئیں، ہر ایک نے زہد واتقاء کا دعویٰ شروع کردیا، تو ان میں خواص اہلسنت جو اپنی جانوں کی مراعات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے تھے، اور دلوں کو راہ غفلت کی چون وچرا سے الگ رکھتے تھے، تصوف کے نام سے منفرد ہوگئے اور دوسری صدی ہجری میں یہ نام شہرت

پکڑ گیا۔

اول جو شخص اس نام سے موسوم ہوئے وہ صوفی ابو ہاشم ہیں، جن کا وصال ۱۵۰ھ ہجری میں ہوا۔ ان کے متعلق ابو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، لولا ابو هاشم الصوفی ما عرفت دقیق الریاء اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے، تو ہم ریاء کی باریکیوں کو نہیں پہچانتے۔ اگرچہ ان سے پہلے بڑے بڑے صاحب ورع لوگ گزرے ہیں لیکن کوئی ان سے پہلے اس نام سے نہیں پکارے گئے۔

اس کے نصف صدی بعد تیسری ہجری کے اوائل میں حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جو تصوف کا دوسرا دور کہلاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی، جو گروہِ صوفیاء کے سرخیل اور سلسلۂ تصوف کے پیشوا مانے جاتے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم کی، اور فرمایا عِلْمُنَا هٰذَا مُشَیَّدٌ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ ہمارا یہ علم کتاب اور سنت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہدایت کے تمام راستے اسی کے لئے کھلے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے مشہور ہے کہ اس زمانے میں گروہ صوفیاء میں تین ایسی شخصیتیں تھیں، جن کا جواب نہ تھا۔ ایک تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دوسرے ابو عبید اللہ شام میں اور تیسرے ابو عثمان حیری نیشاپور میں، حضرت جنیدؒ کے زمانے کے کبار اولیاء سے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ حضرت ذوالنونؒ ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے معرفت و حقائق کے اسرار لوگوں کے سامنے زبان پر لایا اور مسئلۂ فنا و بقا پر اولاً جس نے بحث کیا، وہ حضرت ابو سعید خرازؒ ہیں۔ ان بزرگوں کے زمانے میں تصوف میں مزید ایک اور رنگ پیدا ہوا اور چنانچہ نفحات میں ہے کہ اہل کمال سے خواص لوگوں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا۔ اور مستقل طور پر ریاضتوں اور ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ان کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کیفیت سے مقصود یہ تھا کہ دل کو تعلق باللہ کی نسبت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مدتوں مراقبے کے نتیجہ میں ان سے تجلی، استتار، اُنس اور وحشت کے احوال ظاہر ہونے لگے، انتہیٰ۔

اس وقت تک تصوف نے مستقل تدوینی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ گرچہ اس کے حقائق عام طور پر محفلوں میں بیان ہونے لگے تھے۔ حضرت ابو سعید بن ابی الخیر اور حضرت ابو الحسن خرقانی رح جن کا شمار تصوف کے تیسرے دور میں ہوتا ہے، ان کے زمانے میں تصوف نے مستقل فن کی صورت اختیار کر لی اور دیگر فنون کی طرح اس پر بھی کتابیں لکھی جانے لگیں اور اس کے حقائق کو تحریری شکل میں پیش کیا جانے لگا۔

صاحب تذکرۃ السلوک لکھتے ہیں کہ بعض صوفیاء نے تقویٰ اور حساب نفس میں اعمال کی پیروی پر کتابیں تصنیف کیں مثلاً ابو القاسم عبد الکریم کی کتاب رسالہ قشیریہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف میں انہیں چیزوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں شریعت و طریقت دونوں کو جمع کیا ہے اور احکام تقویٰ و آداب صوفیہ اور اصطلاحات تصوف کی عبارتوں میں زیادتی کی ہے۔ انہیں کی وجہ سے تصوف طریقۂ علمی میں جمع ہوا اور مذہب کی مسلمہ روایات سے ہمنوا ہوا۔ اور ابو نصر سراج نے کتاب اللمع اور ابو طالب کی

نے قوت القلوب اور داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب لکھی ۔

اشباہ میں ہے کہ ابوطالب کی کتاب قوۃ القلوب کے بارے میں محققین کا کہنا ہے کہ اسلام میں کوئی تصنیف اس کی مثل دقائقِ طریقت میں نہیں۔ اور یہی کتاب اصل تصوف ہے۔ اس کے علاوہ جو کتابیں سلوک میں لکھی گئیں ہیں اس سے ماخوذ ہیں۔

تصوف کے اس تیسرے دور میں صوفیاء کے طریق کار میں ایک اور نئی چیز وجود میں آئی۔ چنانچہ ہمعات میں ہے کہ اس دور میں ایک اور تغیر رونما ہوا کہ اہل کمال سے عوام تو حسب سابق شرعی اوامر و نواہی پر قائم رہے اور خواص نے باطنی احوال و کیفیات کو اپنا نصب العین بنایا۔ اور جو خاص الخواص تھے انہوں نے اعمال و احوال سے گذر کر جذب تک رسائی حاصل کی اور اسکی وجہ سے ان کے سامنے توجہ کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ اور اسی سے تعینات کے سب پردے ان کے لئے چاک ہوگئے۔ اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہی ایک ذات جس پر تمام اشیاء کے وجود کا انحصار ہے' اور وہی ایک ذات سب اشیاء کی قیوم ہے۔ یہ لوگ اس ذات میں گم ہوگئے۔

پھر جب تصوف کا چوتھا دور شروع ہوا تو صوفیاء نے اور زیادہ مراتب کشف و حجاب میں کوشش کی۔ ریاضت کے طریقے مختلف ہوگئے۔ اور بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ مصنفین نے اپنے بیانات میں بہت زیادہ باریکیاں نکالنا شروع کر دیں۔ فرغانی نے شرح قصیدۂ ابن الفارض مصری میں بھی کیا ہے۔ اور متاخرین صوفیاء نے کشف اور ماوراء عقل کی بحثوں میں بہت زیادہ تدقیقات سے کام لیا ہے۔ اور حضرت ابن العربی و ابن سبعین وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں وحدت الوجود کے متعلق بہت کچھ بحثیں کی ہیں۔

ابن العربی نے حقائق الٰہیہ کا انکشاف بہت زیادہ کیا ہے۔ شیخ اکبر ابن عربی کی بیشتر کتابوں کا موضوع عرفان و احسان ہے۔ ان کی جملہ تصنیفات میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ خصوصًا فصوص الحکم اعظم مؤلفات میں شمار کیجاتی ہے۔ خواجہ برہان الدین ابو نصر پارسے رح کا قول ہے کہ فصوص جان ہے اور فتوحات' دل۔

حضرت ابن عربی کو صوفیاء وجودیہ کا امام کہا جاتا ہے۔ وحدت الوجود کے مسئلے کو کھلے طور پر منظر عام پر لانے والے آپ ہی ہیں۔

تصوف کے اس چوتھے دور کے متعلق صاحب ہمعات لکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی طفیل مبداء اول یعنی خدائے تعالےٰ تک پہنچنے کا راستہ قریب ہوگیا۔ اور ان کے فیوضات و برکات کے انوار سے عالم علوی اور عالم سفلی کی فضاء مستنیر ہوگئی۔

اس کے بعد سے اب تک جو کچھ ہے وہ اسی چار کے تحت ہیں مزید اس پر کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

فضيلة العلم والعمل به

از ذہبی یف فیاض محی الدین بھٹکلی
متعلم زمرۂ سادسہ دار العلوم اللطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

الحمد لله الذي فضّل بني آدم بالعلم والعمل على جميع العالَم والصلوٰة والسلام على سيّد العرب والعجم وعلىٰ آله واصحابه ينابيع العلوم والحكم.

اما بعد ان فضل العلم ومناقبه لا يخفىٰ علىٰ احدٍ من ذوي العقول واولى الابصار لأن العلم هو جوهر نفيس لا يختص به احد الّا بالانسانية وبه فضل الله تعالىٰ آدم عليه السلام على الملائكة كما قال الله تعالىٰ (وعلّم آدم الاسماء كلها) وبذالك شرف الله آدم على جميع مخلوقاته العلم هو زين للمرء كما قيل.

تعلم فان العلم زين لاهله،
وفضل وعنوان لكل المحامد

واذا تجلى به المرء ينور به قلبه ويزيل به الكدورة العلم سبب للايصال الى المطلوب لان العلم اصل والعمل عليه فرع.

والعلم وسيلة الى البر والتقوىٰ والى مكارم الاخلاق يجد به المرء عند الله العزة والسعادة الابدية.

وان العلم يتدرج به الانسان على المدارج العالية ويترقىٰ به في الدارين ويميز الانسان الحسن والقبيح والحق والباطل و يحصل به معرفة الله تعالىٰ ويخشى الله به كما ورد في القرآن. (انّما يخشى الله من عباده العلمآؤ)

اي خشية الله وشرطها العلم والمعرفة به ومن ازدادت معرفته لربّه كان اخشاهم له كما ورد في الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم انا اخشاكم بالله واتقاكم (هكذا في الصحيح)

وقد ورد في مناقب وفضائل العلم آيات و اخبار صحيحة مشهورة كثيرة لا يحصىٰ عددها وورد في كلام الله تعالىٰ عزّ شانه.

(يرفع الله الذين آمنوا والذين اوتوا العلم درجات) اي والذين اوتوا العلم درجات وان ذالك من عطف الخاص على العام وهنا يدل على علو شأنهم وسمو مكانتهم حتى كانوا جنسا آخر

وقوله درجات ای طبقات عالیة ومراتب مرتفعة بسبب ما جمعوا من العلم والعمل۔
وفی المدارك عن ابن عباس رضی الله عنهما اذا قرأها قال ایها الناس افهموا هذه الآیة ولترغبوا فی العلم وعنه علیه الصلوٰة والتسلیم فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب۔
وعن النبی صلی الله علیه وسلم عبادة العالم یوما تعدل عبادة العابد اربعین سنة وعنه صلی الله علیه وسلم یشفع یوم القیامة ثلاثة۔ الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء جاء فی تفسیر روح البیان عن ابی الدرداء رضی الله عنهما قال لان اعلم مسألةً احب الی من اصلی مائة رکعة۔
وقال مقاتل اذا انتهی المومن الی باب الجنة یقال الست بعالم ادخل الجنة ویقال العالم قف بباب الجنة واشفع للناس وقال الله تعالیٰ (فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات)
یقول سهل ابن عبد الله رضی الله عنهما فی هذه الآیة۔ المراد بالظالم الجاهل وبالمقتصد المتعلم وبالسابق بالخیرات عالم۔
ثم قرأ بعد ذالك (قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون)

وقد فسر الجلالین الآیة ای لا یستویان کما لایستوی العالم والجاهل۔ فی الآیة بیان لفضل العلم وتحقیر للعلماء الغیر العاملین منهم عند الله جهلة حیث جهل القانتین هم العلماء۔
وقال ایضًا (ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة) وقد فسر الحسین الآیة هکذا ان یؤتی الله فی الدنیا العلم وفی الاخرة الجنّة وقال تعالیٰ (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون) وقال ایضًا (فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم بعلم یحذرون)
وفی الصّحیحین عن معاویة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یرد الله به خیرًا یفقهه فی الدین وروی ابوداؤد عن ابی الدرداء رضی الله عنهما قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من سلك طریقا یبتغی فیه علمًا سهل الله له طریقًا الی الجنة وان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم وان العالم لیستغفر له من فی السمٰوات ومن فی الارض حتیٰ الحیتان فی الماء وان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درهما انما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر یعنی من میراث النبوة۔ روی الترمذی

من حدیث ابی امامه رضی الله عنه انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم وان الله وملائکته واهل السموات والارض حتی النملة فی جحرها وحتی الحوت یصلون علی معلمی الناس خیرا قال الحصیسنی فی ذالك انه غایة الشرف وروی الطبرانی وغیره انه علیه الصلوٰة والسلام ما عبد الله بشیئ افضل من فقه فی دینه ولفقیه واحد اشد علی الشیطن من الف عابد کما قیل، تفقه فان الفقه افضل قائد۔

الی البر والتقوی اعدل قاصد

ولکل شیئ عماد وعماد هذا الدین الفقه

وقال ابن عباس رضی الله عنهما:-

والعلماء درجات فوق المومنین بسبعمائة درجة ما بین الدرجتین مسیرة خمسمائة عام

وقال الشافعی رحمه الله تعالی علیه:-

طلب العلم افضل من طلب النافلة

وفی شرح السنة قال ابن عباس رضی الله عنهما تدارس العلم ساعة من اللیل خیر من احیائها

وقال امیر المومنین علی کرم الله وجهه:-

أن مجلس العلم روضة الجنة وأنشد رضینا قسمة الجبار فینا۔ لنا علم وللجهال مال

وما سمعت من الایات القرانیة والاحادیث الشریفة قد ظهر منها فضیلة العلم والعمل به وقال فتح الموصلی الیس المریض اذا منع الطعام والشراب والدواء یموت قالوا بلی قال کذالك القلب اذا منع عنه الحکمة والعلم ثلثة ایام یموت ولقد صدق الموصلی فان غذاء القلب العلم والحکمة وبهٖ حیاته کما ان الطعام غذاء للجسد واریدان اکتب للطیفة فی الآخر

(اللطیفة)

قیل فی عیون المجالس ان العلم ثلثة احرف العین ـ واللام والمیم۔

العین ماخوذ من العلو واللام من اللطائف والمیم من الملك۔ والمطلب ان العین یجر صاحبه الی العلیین واللام یجعله لطیفا ودقیق النظر والمیم یجعله ملکا علی العباد والعالم یلبس ببرکة العین التمکین والعزة وببرکة اللام یلبس ثواب اللطافة وببرکة المیم یلبس ثوب المحبة والهدایة والخشیة۔

العلم زینة للرجل هی جید من زینة الشباب لان زینة الشباب ویزیل بالعری والغبر والتراب وغیر ذالك فقط

والعلم زینة للقلب یزیل به من شیئ الاخلاق والرذائه ویطهر القلب من اوجاسه ویصیر کمرأة ینعکس علیه صور المحاسن۔

سلسلہ برصفحہ ۵۸

میرے پسندیدہ اشعار

از
سید شبیر احمد بلمنیری
زمرۂ ثالثہ
دارالعلوم لطیفیہ

یہ دَیر و حرم ہی نہیں عُشّاق کی منزل،
سجدوں کے بہت ان سے بھی آگے ہیں نشاں اور
اختر واصفی

کب سے سرِ مئے خانہ تہی جام کھڑا ہُوں
کیا اس میں تیرے ظرف کی توہین نہیں ہے
سید حباب ترمذی

وہ سجدہ رُوحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
اقبال

جب بھی دیکھا ہے تجھے عالمِ نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہُوا تیری شناسائی کا
ندیم

فرشتے سوچتے ہی رہ گئے انجامِ ہستی پر
دلِ بیتاب تڑپا اور بنیادِ جہاں رکھ دی
ادیب

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہ ہو
جگر

مٹے گا سوگ کہاں تک بجھے چراغوں کا
نئے چراغ جلاؤ، بڑا اندھیرا ہے
ادیب

ہر خزاں کے غبار میں ہم نے
کاروانِ بہار دیکھا ہے
افسر میرٹھی

دل کے داغوں سے ہوا کرتی ہے روشن زندگی
سوزِ پنہاں سے جلا کرتے ہیں قسمت کے چراغ
نامعلوم

نکل کے پھول سے خوشبو کہاں پلٹتی ہے
نہ جاؤ تم بھی نہ جاؤ بڑا اندھیرا ہے
ادیب

تری نگاہِ توجّہ کے میں نثار اے دوست!
غمِ حیات دیا، اور لازوال دیا
مشتاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

از
عبد القادر باشاہ ڈی
اکرمی
بھٹکلی
زمرۂ دوم

اسلام کی خوبیاں

اسلام کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں اور سب سے بڑی خوبی اسکی یہ ہے کہ وہ دین ودنیا دونوں کو سنوارتا ہے اور دونوں ہیں کمال تک پہنچنے کے راستے بتلاتا ہے۔ اور دنیا کو دین کی کھیتی قرار دیتا ہے پھر انسان کے اعلیٰ کردار کی تعمیر کے لئے اس کی روح میں پاکیزگی کے عنصر کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام انسان کے لئے یہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ جس نے صداقت، عدالت، امن اور اخوۃ کو پوری طرح مکمل کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کی وجہ سے اسلام نے عدل اور مساوات کا ایک ایسا معیار قائم کیا ہے، جس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

اسلام کی عظمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں عبادت کو صرف عبادت گاہوں کے اندر ہی محدود نہیں کیا بلکہ خدائے تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر وناظر جان کر اسکی عبادت آسمان کے نیچے زمین پہ ہر جگہ ہو سکتی ہے، جو اور کسی مذہب میں نہیں۔ اور اسلام نے رہبانیت کی سخت مذمت کی ہے۔ اس نے انسان کی فطرت کے اعلیٰ جوہروں کو بلند کرنے کے لئے کسی منزل پر بھی غیر فطری تشدد کو دخل انداز نہیں ہونے دیا۔ بلکہ انسان کو دنیا کی تمام چیزوں سے استفادہ کرنے کی ہدایت کی اور نوعِ انسانی میں معمولی قوت عمل پیدا کرنے کا کوشاں ہے۔ اور انسان کی سماجی اور اقتصادی زندگی کو سدھارنے کے لئے ٹھوس طریق کار اختیار کیا۔

اور اسلام کی ممتاز خصوصیتوں میں سے یہ ہے کہ اسکی تعلیم کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے ہر صاحب فہم و دانش فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ فطری مذہب ہونے کی وجہ سے ہر ایک کیلئے اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مذہب ان کو بھی سینہ سے لگاتا ہے، جو اس کے متبعین ہیں، اور ان کا بھی محافظ ہے جو بحیثیت مذہب اسلام کو تسلیم نہیں کرتے گویا اسلام ساری دنیا کیلئے رحمت بن کر آیا۔ نیز اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے جلوہ گر ہو کر جہالت کی تاریکی کو مٹا ڈالا اور ساری دنیا کو علم وفنون کی روشنی سے جگمگا دیا۔

اسلام کی ایک بڑی اور بے مثال خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تمام مذاہب کے احترام کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں بے مثال رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ سب کچھ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جو اسلام نے مسلمانوں کو دی تھی اور یہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سب سے پہلے جمہوریت کا کامل تصور پیش کیا اور تمام لوگوں کے مساوات کو بیان کرکے برابر کے حقوق دیا۔

اتنی گفتگو کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلام کے متعلق غیر مسلم مفکروں کے خیالات کو پیش کروں جس سے واضح ہو جائیگا کہ اسلام کو جس کسی نے بھی تعصب کی عینک اتار کر دیکھا یقیناً اس نے اسکی خوبیوں کے آگے سر ٹیک دیا۔ اگرچہ بعض مسیحیوں نے اسلام کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی، اور لوگوں کو بتایا کہ پیغمبر اسلام مسیحیت کے شدید دشمن ہیں لیکن ان کو یہ نہ معلوم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے بہت بڑے دوست اور محسن ہیں۔

جب بیسویں صدی کے ترقی یافتہ دور میں دنیا تہذیب اور انسانیت کا دعوے کرنے لگی اور انسانی مساوات کا تصور عام ہو چکا تو لوگ گہری نظر سے مذاہب کی تحقیقات کی روشنی میں غیر مسلم مفکروں نے جو نتائج اسلام کے متعلق اخذ کئے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

فروری ۱۹۵۵ء میں رنگون (برما میں) ایشیا میں تہذیبی آزادی کی کانفرنس کے ایک مباحثے کے دوران شری لکشمن شاستری جوشی نے کہا تھا کہ عجیب بات ہے کہ تمام مذاہب آخری منزل موکش کو قرار دیتے ہیں اس طرح ہوشمند انسان کو بے عمل کرکے اُسے دنیاوی خواہشوں سے باز رکھتے ہیں۔ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دین کے ساتھ دنیا کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔

ڈاکٹر بارتھ۔ ترقی اسلام کی نسبت میں لکھتے ہیں کہ ایک وقت صحرائے اعظم کا گورنر عیسائی تھا اور بعد میں وہ تبدیل مذہب کرکے مسلمان ہو گئے۔ یقینی طور پر اسلام میں ایک کشش ہے۔

ریورنڈ ایڈورڈ ملائی دون لکھتا ہے کہ عیسائی جنہوں نے اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھا، اگر وہ لوگ افریقہ کے شمال و مغرب میں جاکر دیکھیں (جیسا کہ میں نے) تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے لوگوں میں اور اسلامی جماعتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ دوسرے لوگ تو غفلت اور پستی میں پڑے ہوئے ہیں، اور اہل اسلام مذہبی معاملات میں نہایت چست اور مستعد ہیں۔

ہربرٹ نے لکھا ہے کہ اسلام اور تعلیمات محمدی صلعم میں عجیب وغریب قابل ستائش اخلاقی سبق موجود ہیں اور ان کو عملی صورت میں لانے میں کوئی دشواری یا دقت محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم سب کیلئے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

مسٹر جنگو پارک لکھتے ہیں کہ حبشیوں پر اسلام نے جو سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا وہ ترک شراب نوشی ہے۔ اسلام انسانی کردار کو بلند کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مسٹر ٹامس کارلائل جو انیسویں صدی کے مشاہیر یورپ میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحوں پر نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت خدا کی مخلوقات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور اصلاحات کے ماننے والے بہ نسبت کسی دوسرے مذہب کے بہت زیادہ ہیں اور یہ اسلام کی حقانیت کا کھلا ثبوت ہے۔

سر ولیم میور لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات نے جو بہت سادے ہیں لیکن حیرت ناک و عظیم الشان کام کر دکھایا ہے۔ انسانوں نے نہ کبھی اسلام جیسا روحانی زندگی

کا عروج دیکھا تھا - اور نہ ایسا پختہ ایمان جس کی حمایت میں انسان اپنے آپ کو قربان کر دے - آگے چل کر میور صاحب رقمطراز ہیں کہ اسلامی تعلیم کے نتائج یہ ہوئے کہ اس نے ہمیشہ کے لئے توہمات کے سیاہ بادلوں کو دفع کر دیا - ہم فراخدلی سے اقرار کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین میں خدا کی توحید کا سچے دل سے اقرار موجود ہے - اسلامی تعلیم کے ذریعہ اخلاقی نیکیوں میں اضافہ ہوا - ایمان کے دائرہ کے اندر برادرانہ محبت کی تلقین کی گئی - یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور بے کسوں اور بے بسوں کی خاطر داری ہونے لگی - منشی چیزوں کی ممانعت ہوئی - غرض کہ اسلام ایسے اعلیٰ کردار پہ فخر کر سکتا ہے جس کی دوسرے مذاہب کو خبر تک نہیں -

ڈاکٹر مارکس ڈوڈز اسلام کی حیرت انگیز اصلاحوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے یقین ہے - اور ہر غیر متعصب شخص آسانی سے تسلیم کر لیگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اور اصلاح جو قرآنی تعلیم سے وابستہ ہے تمام موجودہ مذاہب کے مقابلہ میں بے حد ترقی یافتہ اور قابل قبول ہے -

ریورنڈ سٹیفنس عرب کی جہالت اور عروج کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو سدھار ہوا اور جن برائیوں کی مذمت قرآن نے پرزور الفاظ میں کی، وہ شراب خوری، زنا کاری، لڑکیوں کا مار ڈالنا، جوئے بازی، توہم پرستی، فال اور شگون دیکھنا اور جادو ٹوٹنا وغیرہ میں تعلیمات محمدیؐ کی بدولت ان کا خاتمہ ہو گیا - اور بعض میں کافی حد تک کمی آ گئی - آپ کی تعلیم کی سب سے بڑی کامیابی دختر کشی اور شراب نوشی کا کامل انسداد ہے -

میجر جنرل ہاورڈ جو سالہا سال تک برطانی فوج کے ہمراہ مصر میں رہے، تب انہوں نے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا - جب مؤذن اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہے تو اس نعرہ میں کچھ ایسی کشش ہے کہ انسان کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچنے لگتا ہے - خصوصیت کے ساتھ جب یہ نعرہ صبح صادق کے وقت بلند ہوتا ہے، تو اس میں اور بھی زیادہ دل آویزی اور کشش پیدا ہو جاتی ہے -

عیسائی مدبر موسیو اوجین کلوفل :- اسلام کے محاسن پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے جب ہم اُس زمانہ پر غور کرتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام نے اپنی نبوت اور رسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعہ قوانین تیار کیا گیا جو دنیا کی ملکی مذہبی اور تمام تمدنی ضروریات پر حاوی ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جس کی بنیاد سچی آزادی پر ہے کس طرح ایک فرد واحد نے مختصر سے عرصہ میں مرتب کر دیا - بس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک بلند ترین مجموعۂ اخلاق ہے -

---

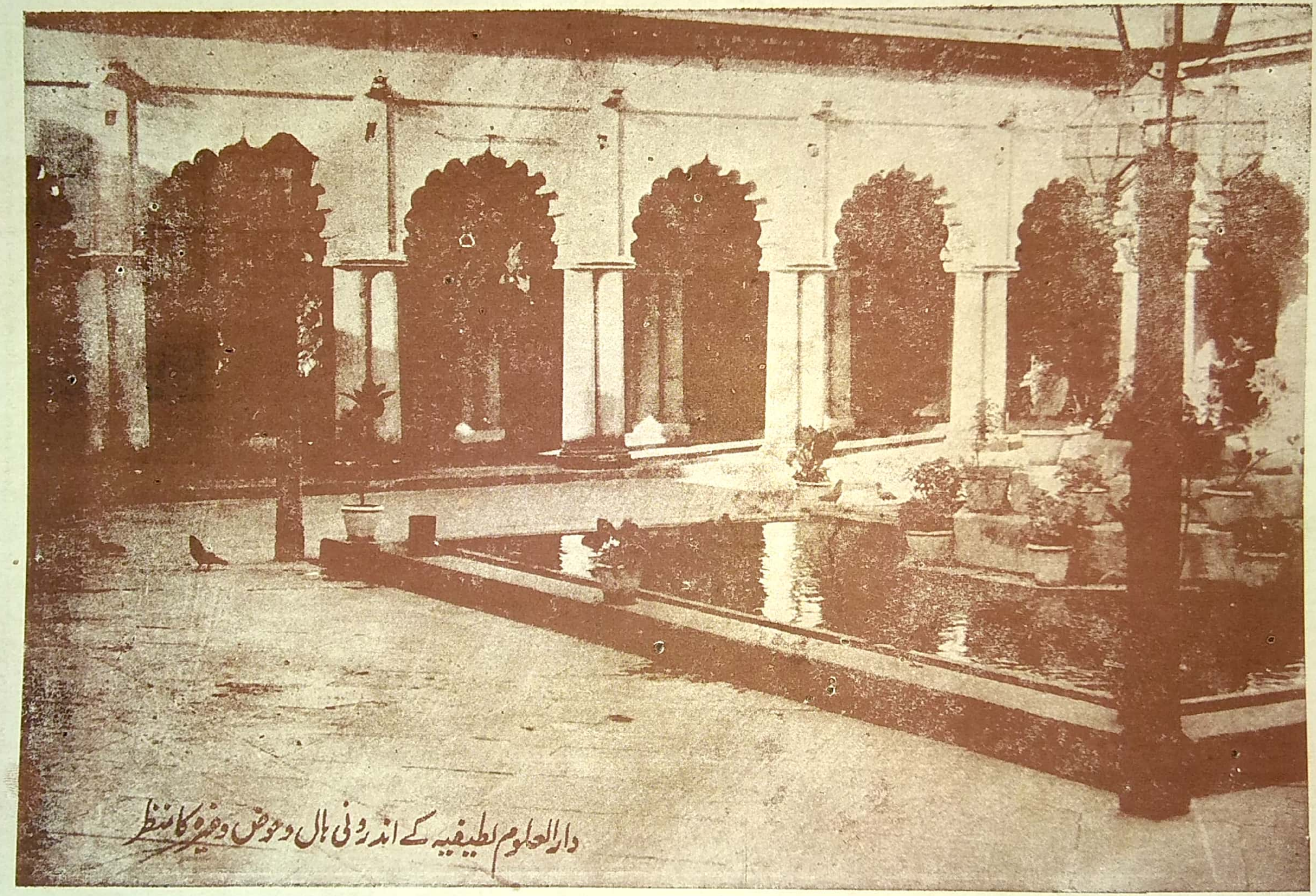
دار العلوم کی مختصر تاریخ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

جوہرِ علم سے آراستہ انسانوں کی پُرجلال زندگی اور جہالت سے بھری ہوی انسان کی بدحالی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علم ہی وہ سر ہے جس پہ تاج شہنشاہی رہا۔ اور جہالت ہی کی وہ گردن ہے جس میں ہمیشہ طوق غلامی پڑا رہا۔ علم ہی کی وہ بلند پیشانی ہے جو ہمیشہ بدرِ منیر اور شمس النہار بن کر چمکتی رہی۔ اور جہالت ہی کا وہ منحوس چہرہ ہے، جو ہمیشہ گمراہی کی غلاظتوں میں لپٹا رہا، عزت و سرفرازی، شرافت و بزرگی، جلال و جبروت، شاہنشاہیت و آمریت ہمیشہ علم کا قدم چومتی رہی۔ اور ذلت و نکبت، درندگی و بہیمیت ہمیشہ جہالت کے دامن سے ملوث رہی۔ غرض دنیا ابتداءِ آفرنیش سے اب تک یہی دیکھتی آرہی ہے کہ علم کے سامنے جہالت ہمیشہ سرنگوں رہی۔ علم ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو اپنے مقام سے متعارف کراتا ہے۔ علم ہی وہ ذریعہ ہے، جو بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ علم کا تعلق مذہب سے جیسا ہے وہ کسی پہ مخفی نہیں۔ اسلام میں علم کا دوسرا نام مذہب ہے۔ جیسا کہ بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم حاصل کرو اور یہ بھی دیکھو تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو معلوم ہوا کہ علم کا دوسرا نام مذہب ہے، جیسا کہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم و حکمت ہمیشہ سے مسلمانوں کا سرمایہ رہا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے مسلمانوں کی دولت ہے سرورِ کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا الحکمۃ ضالۃ المومن علم و حکمت (جہاں کہیں بھی ہو) مسلمانوں کی گم شدہ متاع عزیز ہے۔

علمِ دین اور دورِ پرفتن

آج سے تقریباً تین سو سال پہلے جبکہ سرزمین ویلور پہ ہر سو تاریکی ہی تاریکی چھائی تھی، اس صحرائے ویلور کے اندر نور کی جگہ ظلمت نے لے لی تھی اور اس تاریکی میں انسانیت گم ہوتی نظر آئی۔ کوئی ایسا چراغ نہ تھا جس کے ذریعہ صحیح راستہ کا پتہ چلتا۔ مسلمان کا وجود ضرور تھا لیکن اسلام کی حقیقی روح سے خالی جو لوگ بھی تھے ان پہ جمودی کیفیت طاری تھی۔ علم دین سے بالکل نا آشنا تھے۔ روحانیت مادیت میں گم ہوکر رہ گئی تھی۔ اس نازک دور میں جبکہ اس خطے کے لوگوں کا مقصد زندگی اور مسلمانوں کی متاع عزیز کا خاتمہ ہو رہا تھا قدرت نے رحم فرماتے ہوے گلشن رسالت کے پُربہار باغ سے ایک ایسا تازہ دم لہکتا ہوا پھول جس کے ذریعے صحرا کو گلشن میں تبدیل کیا جاسکے جس کے ذریعہ اسلام کو دور تک پھیلایا جاسکے۔ جس کے ذریعے



دارالعلوم لطیفیہ کے اندرونی ہال و حوض وغیرہ کا منظر

انسان خصوصًا مسلمانوں کی جمودی کیفیت کا خاتمہ ہو سکے منتخب فرمایا۔ وہ پھول بیجاپور سے منتقل ہو کر مختلف مقامات سے ہوتا ہوا سرزمین ویلور کے اس مقام پر خیمہ زن ہوا جہاں پہلے کچھ نہ تھا اور اب سب کچھ ہے۔ اس تاریک رات میں جبکہ ہر سو سناٹے کا عالم تھا فضائے بسیط پر جمودی کیفیت طاری تھی، آسمان پر ستارے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، کہ آج اس ویرانے میں کسی لازوال پھول کی خوشبو پھیل رہی ہے، وہ کونسی ایسی روشنی ہے جو اس خطے کو جگمگا رہی ہے۔ وہ کونسی مقدس ہستی ہے جسکی وجہ سے رحمتِ خداوندی کی مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ اسی دوران اس مردِ خدا کے رویا میں بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں، نورِ عین تمہارا مقام یہی ہے اور تمہیں یہیں رہ کر خدمتِ اسلام انجام دینا ہے ــــ گمراہ خلق خدا کی ہدایت کرنی ہے۔ غرضیکہ آقا نے عالم رویا ہی میں پوری ہدایت فرمائی۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو ظاہر میں بھی اس کی تصدیق ہو گئی۔ وہ خواب یوں شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے کہ اس مردِ خدا باصفا نے مستقل قیام پذیر ہو کر تبلیغی کام اس انداز سے شروع کیا کہ جو بھی اس مردِ قلندر کی بارگاہ میں آیا ایک آفتاب بن کر نکلا۔ اس اللہ کے ولی نے ایک ایسے کارخانے کی بنا ڈالی، جس کے اندر بگڑی ہوی مشین انسانیت کے ہر پُرزے کی اصلاح کی جا سکے۔ اس کے اندر ایسے ایسے ماہرِ فن معمار تیار کئے گئے جنہوں نے وہاں سے نکلنے کے بعد بوسیدہ عمارت انسان کی از سر نو تعمیر کی۔

وہ جاہل انسان جو وحشت و بربریت کے غلاظتوں میں لپٹا ہوا دامنِ انسانیت کا بدنما داغ تھا اس انسان کامل کی بارگاہ سے شریعت کا تاجدار روحانیت کا آفتاب بن کر جگمگایا۔ وہ گل ہو کر نکلا جسکی خوشبو سے آج دنیا معطر ہے۔ جس کی مثال آج خطۂ مدراس میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ یہ وہی انسانِ کامل ہے جسے دنیا **حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری** رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اور وہ کارخانہ جس کی ارتقائی شکل کو ہم **دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا مزارِ مقدس ویلور کی جامع مسجد کے احاطے میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ کی ابتدا اور بعد کی حالت

ابتداء کچھ دنوں تعلیم مسجد ہی میں ہوتی رہی۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک اوسط درجے کی عمارت تعلیم کے لئے بنائی گئی اور تعلیم سلوک کے لئے خانقاہ بھی مستقل وجود میں آیا۔

بانی مدرسہ کے پردہ فرما جانے کے بعد آپ کے صاحبزادے خلف اکبر حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری قدس سرہٗ جو دکن کے زبردست اولیاء اللہ سے گزرے ہیں جو علوم منقول و معقول اور عرفان میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ جب انہوں نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی تو ایسے ایسے زبردست علماء ان کی بارگاہ سے نکلے جو اپنی مثال آپ تھے۔ انہی کے بارگاہ کے وہ ایسے آفتاب ہوئے جو اپنے زمانے کی بے نظیر ہستیوں سے تھے۔ ایک آپ کے صاحب زادے حضرت

مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ثانی ذوقی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ اور دوسرے مولانا باقر آگاہ مدراسی کی ذات گرامی ہے۔ آپ بھی کثیر کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کا وصال سنہ ۱۱۸۲ھ میں ہوا۔ مزار مقدس احاطۂ خانقاہ ہی میں مسجد کے سامنے مشرقی حصے میں اندرونی قبہ ہے۔

پھر آپ کے بعد مدرسہ کی اس اہم خدمت کو حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذمہ لیا اور اسی اسلوب پر چلاتے رہے جس طرح آپ کے جد امجد قدس سرہ العزیز نے چلایا۔ بہت سے شیدائے علم نے آپ کے پاس رہکر گوہر مقصود کو پایا اور دنیا کے اندر ماہتاب بنکر چمکے۔ چند دنوں بعد ہی سنہ ۱۱۹۲ھ میں آپ نے دار فانی سے کوچ فرمایا۔ اور احاطۂ خانقاہ میں خاندانی گنبد کے اندر ہی آرام فرما ہیں۔ پھر آپ کے بعد زمام دار العلوم آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری محوی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں لیا۔ اور بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ امور دار العلوم انجام دیتے رہے۔ ہزاروں تشنگان علوم نے اپنی پیاس بجھائی۔ آپ کی وہ بارگاہ تھی جس میں انسان کے علاوہ اجنہ نے حصول علم کیا۔ جیسا کہ واقعہ شاہد ہے۔ اسی طرح خدمت دینی کرتے ہوئے آپ ۲۶ جمادی الآخر سنہ ۱۲۴۳ھ میں اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ آپ بھی خاندانی گنبد کے اندر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف ثالث قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ امور دار العلوم اپنے جد اعلیٰ ہی کی طرح نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ آپ کے وقت میں بھی لوگ جوق در جوق آتے رہے اور اپنے مقصود پاتے رہے۔ مولانا عبدالوہاب صاحب بانی باقیات الصالحات مولانا عبدالحی صاحب بنگلوری مصنف جنان السیر، مولانا محمد حلیف صاحب بنگلوری و مولانا شاہ بدر الدین صاحب مدراسی وغیرہ اسی بارگاہ پر انوار کے خوشہ چین اور جبہہ سائی کرنے والے ہیں جن کی ایک نگاہ کرم نے انہیں ماہتاب بنا دیا۔ آپ اپنے وقت کے علم و معرفت کے آفتاب بن کر کائنات پر جگمگائے اور دنیا کو مستفیض کرتے رہے۔ یہ وہی شخصیت ہے جن کو ہم قطب ویلور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ بھی خدمت اسلام کرتے ہوئے سنہ ۱۲۸۹ھ میں دنیا کو خیر باد کہا اور جنت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پائنتی مدفون ہوئے۔

پھر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شمس العلماء رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری قدس سرہ العزیز نے نظام دار العلوم لطیفیہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ مدرسہ کی ذمہ داری لینے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھوں مدرسہ کی تشکیل نو کی۔ یعنی سنہ ۱۳۰۱ھ میں ایک عالی شان بلڈنگ تیار کی اور تعلیمی صورت میں ترمیم کر کے اس کا ایک مستقل نصاب تیار کیا۔ تعلیمی حالت آپ کے زمانے میں بہت ہی بلند رہی۔ یہ وہی دور تھا جب دار العلوم ہذا کے اندر مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تقی الدین لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالجمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاوری جیسی شخصیتیں درس دے رہی تھیں۔ ہزاروں طالبان علم و معرفت نے آ آکر گوہر مراد سے اپنے دامن کو پر فرمایا۔ بالآخر آپ بھی ۲۰ رمضان سنہ ۱۳۲۵ھ کو

راہئ ملکِ بقا ہوئے اور اسی خاندانی قبہ کے اندر آپ بھی دفن کئے گئے۔ پھر دارالعلوم کی باگ آپ کے صاحبزادے حضرت **شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری (رابع)** المعروف بہ **حضرت مکّی** ویلوری قدس سرہ العزیز نے اپنے ہاتھوں لیا۔ آپ کی ذاتِ گرامی محتاج تعارف نہیں، "آفتاب آمد دلیل آفتاب" آپ آسمان علم ومعرفت کے ماہ کامل تھے۔ بے شمار تشنگانِ علم ومعرفت نے آپ کی بارگاہ میں رہکر اکتساب نورِ علم وعرفان کیا۔ اسی طرح جگمگاتے ہوئے آپ بھی ۱۳۳۸ھ میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پائینتی جنت الماویٰ میں مدفون ہوئے۔ پھر آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت **مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ویلوری** رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا اور بہت ہی حسن وخوبی سے امور دارالعلوم انجام دیتے رہے۔ اور دارالعلوم اس طرح بام عروج پر رہا۔ آفتاب نصف النہار ہوکر چمکتا رہا۔ لیکن آپ کی زندگی نے رفاقت نہ کی اور آپ بھی ۱۳۷۸ھ میں کائنات کی بے ثباتی کو خیرباد کہتے ہوئے مبداء فیاض سے جاملے اور اسی گنبد آبائی کے اندر محو خواب ہوگئے۔

اب آپ سے چھوٹے بھائی **حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ** قادری ویلوری کے زیر سرپرستی اور درمیانی بھائی **مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب** قادری کے زیرنگرانی اور آپ کے برادر خورد حضرت **مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب** قادری کی نظامت میں دارالعلوم اسی شان وشوکت سے چل رہا ہے جسطرح چل رہا تھا۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ حضرات کی زندگی دراز فرمائے تاکہ دارالعلوم ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور طالبانِ علم ومعرفت اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

دارالعلوم کی نمایاں خصوصیت

دارالعلوم لطیفیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں اس کے بانی نے تعلیم شریعت کیلئے درس نظامیہ کو تجویز فرمایا وہیں صاحب طریقت بننے کے لئے تصوف کی بڑی بڑی کتابیں مثلاً فصوص الحکم مصنفہ ابن عربی، شرح فصوص الحکم، جواہر الحقائق مصنفہ حضرت قطب ویلور۔ جواہر السلوک حضرت قطب ویلور۔ احیاء العلوم الغزالی، حجۃ البالغہ شاہ ولی اللہ، تحفۂ مرسلہ۔ بھی داخل درس رکھا تاکہ ایک انسان اگر علوم شرائع میں آفتاب ہو تو ساتھ ساتھ رموزِ طریقت ومعرفت کا ماہتاب ہو۔ مدرسے کے اس کارنامے کی زندۂ جاوید تصویر جسے دیکھنا ہو تو اب بھی بڑی بڑی شخصیتیں اس مدرسہ کی فارغ شدہ خطۂ مدراس میں موجود ہیں۔ اور پیاسی انسانیت کو سیراب فرما رہی ہیں۔ دارالعلوم ہذا باعتبار اپنی نوعیت نصاب ونہج تعلیم کے اس وقت بے مثل و بے مثال ہے۔

کتبخانۂ دارالعلوم ہذا

کتب خانہ کے اندر کتب فقہ احادیث وتفاسیر تصوف منطق وفلسفہ علم معانی وبیان، صرف ونحو، لغات وعروض،

تاریخ وسیر وغیرہ کی کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ بہت سی ایسی نایاب کتابیں ہیں جن کا ملنا اب ناممکن سا ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں، بہت سی قلمی ہیں۔ خصوصًا فنِ تصوف میں کافی سے زیادہ تعداد کی کتابیں موجود ہیں۔ خاص کر خاندانِ اقطابِ ویلور کی بے مثال ہستیوں کی بے مثل تصانیف کہ جس کے اندر ایسے مسائل کا حل موجود ہے جو وہم وگمان میں نہیں آسکے۔ مثلاً جواہر السلوک۔ جواہر الحقائق۔ فصل الخطاب وغیرہ ایسی کتابیں ہیں، جو اپنی مثال آپ ہیں۔ تصوف کے وہ لاینحل مسئلے جن کا حل میدان تصوف کے بڑے بڑے شہسواروں نے تمام عالم کی سیاحی کے باوجود ان کو نہ مل سکا، ویلور کی مقدس سرزمین پہ آنے کے بعد انہوں نے ان کتابوں کے اندر اس کا حل بہت آسان طریقہ سے پایا۔

دار العلوم کی تربیتی و تعلیمی خدمات

دار العلوم ہذا کے اندر اس وقت مدرسں کی آٹھ قابل شخصیتیں تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہی ہیں، بفضل رب العزۃ تعلیم بہت اچھے پیمانہ پر ہو رہی ہے۔ طلباء کی ہر علمی پیاس کو بجھائی جاتی ہے۔ ان کے ہر علمی خدمات کی قدر کی جاتی ہے۔ لڑکے ذوق وشوق سے تحصیل علم میں مصروف ہیں۔ دار العلوم جہاں ان کی روحانی تربیت کر رہا ہے، وہیں ان کی جسمانی نشو ونما کی خدمت بھی بہت اچھی طرح انجام دے رہا ہے۔ طلباء فرصت کے اوقات میں بجائے اس کے کہ وہ شہروں اور پارکوں میں بے کار پھریں، دار العلوم کے احاطے ہی میں حد شرعی کے تحت ان کے کھیل کا انتظام ہے جس سے وہ اپنی جسمانی صحت بھی بہتر سے بہتر بنا سکتے ہیں۔

دار الاقامہ وغیرہ

درسگاہ سے الگ طلبا کے رہنے کے لئے بہت سے کمرے ہیں جس کے اندر باقاعدہ بجلی وغیرہ کا انتظام ہے جس سے بالاطمینان اپنی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ وقضائے حاجت کے لئے متعدد استنجے خانے غسل کے لئے کئی غسل خانے مدرسہ کے احاطے میں موجود ہیں۔ طلباء کی درسی کتابوں کا ذمہ دار بھی دار العلوم ہی ہے۔ وہ طلباء جو از خود کھانے کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں اس کا کفیل بھی مدرسہ ہی ہے۔ تشنگانِ علم ومعرفت کے لئے اب بھی باب دار العلوم کھلا ہے۔

دار الافتاء

دار العلوم ہذا میں شروع ہی سے دار الافتاء قائم ہے۔ جہاں کہیں سے کوئی استفتاء آتا ہے، تو بہت ہی چھان بین، تحقیق وتدقیق سے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ بہت سے غیر ممالک سے کئی ایک استفتے آئے اور اس کے جوابات بہت تحقیق سے مدلل ومکمل دئے گئے۔

یونیورسٹی سے الحاق

دار العلوم کا ۲۲ر اپریل سنہ ۱۹۶۵ م ۹ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۵ھ میں مدراس یونیورسٹی سے الحاق منظور ہو چکا ہے۔ اب یہاں کے طلباء افضل العلماء منشی فاضل، ادیب فاضل کے امتحانات میں بیٹھ سکتے ہیں۔ جو بچوں کے لئے دینی ترقیوں کے ساتھ دنیوی ترقیوں کے سامان پیدا کرنے کے مجاز ہونگے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس مقدس آستانے کو ہمیشہ اپنی رحمتوں سے سدا بہار رکھے اور اس خاندان کے مقدس شخصیتوں کی عمر دراز فرمائے۔ ان سے ہمیشہ خدمت لیتا رہے، اور یہ حضرات مخلوق الٰہی کی ہدایتوں کا ذریعہ بنے رہیں اور یہ لگا لگایا ہوا یہ بہار گلشن تا قیام قیامت سدا بہار رہے۔

(آمین۔ ثم آمین)


گنبدِ اقطابِ ویلور

بانئ اسلام غیروں کی نظر میں

از
محمد مصطفیٰ
خلیفہ بھٹکلی
زمرۂ ثانی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

دیکھ کر اخلاق کو اور آپکے اوصاف کو
غیر بھی کہتے ہیں تم ہو رحمۃ للعالمین

سلام اُن پر جو دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آئے، سلام اُن پر جنھوں نے گمراہوں کو راستی کی راہ پر گامزن کیا۔ کروڑوں خداؤں کی پوجا سے نجات دلا کر ایک خدا کی طرف سر جھکایا۔ بداخلاقی کو دور کر کے نیکو کاری اور اخلاق کا عملی سبق سکھایا جو رہتی دنیا تک انسان کے کرداروں کیلئے بہترین راہِ عمل ثابت ہوگا۔

نبی آخر الزمان سے قبل جتنے بھی پیغمبر اور رسول تشریف لائے سبھوں کی شریعت مخصوص تھی، صرف اپنی قوموں اور فرقوں کی فلاح و بہبودی کے لئے جو انہیں کی قوموں تک محدود رہا۔ یہ وہ نبی ہیں، جن کی عظمت و فضیلت کا ذکر توراۃ و انجیل میں آیا ہے۔ اور جن کی آنے کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ اور موسیٰ علیہ السلام خود آپ کے امتی ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے "کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کرنے آیا ہوں"۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

(پارہ قال الملاء، رکوع ۹)

(ترجمہ)

کہہ دیجئے اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اے لوگو! میں تم تمام کی جانب اللہ کا رسول (بناکر بھیجا گیا) ہوں۔

آپ درحقیقت پورے کائناتِ عالم کیلئے نبی آخر الزماں بنکر تشریف لائے تھے۔ آپ ایک ایسی جگہ پیدا ہوئے تھے جہاں ہر طرف کفر کی ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ جو مشکل اور سخت حالات سے گھرا ہوا تھا۔ آپ ایسے موقع پر اسلام کی تبلیغ کی، جبکہ تمام لوگ آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ جب آپ فرمانِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے نکلتے تو لوگ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے اور پتھروں کی بارش کرتے، مگر آپ اپنے نفس کے لئے ہو یا اسلام کی تبلیغ کے لئے ہو کبھی بھی آپ نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ بلکہ اسلام آپ کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے پھیلا۔ آپ اسلام کی تبلیغ صرف اخلاقِ حسنہ سے کی۔ آپ کی شان وہ ہے کہ جب کبھی کوئی ظالم بدنیتی کے ساتھ آپ کے پاس آتا اور آپ سے بدتمیزی اور بداخلاقی سے برتاؤ کرتا تو آپ

اچھے اخلاق اور نرمی سے برتاؤ کرتے۔ وہ آپ کے اس اسوۂ حسنہ کو دیکھ کر اسلام لانے پر مجبور ہو جاتا۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ کا ثبوت اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو سنکر بڑے بڑے غیر مسلم مفکر بھی متاثر ہوئے۔ ایکدفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے سے گزر رہے تھے، ایک شخص جو آپ کا قدیم دشمن تھا جان بوجھ کر آپ کے جسم مبارک پر کوڑا کرکٹ پھینکا آپ وہیں پر رک گئے اور آگے چل کر اس کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ وہ شخص بجائے دروازہ کھولنے کے بالاخانہ سے جھانک کر آپ سے سوال کر رہا ہے کہ "کیا چاہتے ہو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برجستہ مسکراتے ہوئے کہا کہ "میں صرف تمہاری خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ کئی روز سے تم نظر نہیں آئے"۔ وہ اتنا متاثر ہوا اور اپنے غیر مناسب فعل پر اس قدر نادم اور شرمندہ ہوا کہ آپ کے پاس آکر اپنی کی ہوئی غلطی کی معافی طلب کیا۔ اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

آپ کے اسی اوصافِ حسنہ اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اسلام زندہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ اچھے اخلاق کی تعلیم بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، اور لوگوں کی اخلاقی اصلاح و درستگی ان خاص مقاصد میں سے ہے۔ جن کو پورا کرنے کیلئے حضور پر نور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (پارۂ تبارک رکوع ۱)

(ترجمہ) درحقیقت آپ ایک بڑے خلق پر ہیں۔

بانیٔ اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعثت کی وجہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل ظاہر فرمائی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (حدیث مشکوٰۃ)

(ترجمہ) میں صرف اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

تقریباً دنیا کے تمام ترقی یافتہ زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں آدھے سے زیادہ سیرت نگار عیسائی ہیں۔ ان لوگوں نے حضور پُر نور کی عظمت کا اور آپ کی سادہ زندگی کا اعتراف کیا۔ میں یہاں صرف چند اہم شخصیتوں کے نظریات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

مسٹر گاندھی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ:۔ "میں یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں، کہ اسلام نے بزورِ شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اسکی بنیاد ہے نبی کا خلوص، خود پہ غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام اور دوست واحباب سے یکساں محبت، آپکی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پہ یقین جیسے اوصاف۔

لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام بزورِ تلوار پھیلا۔ اس کی فتوحات میں یہی اوصاف حمیدہ شامل ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے مسلمان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود آگے بڑھ گئے۔

Quoted in the Vindication of the Prophet of Islam. (PP 26. 27).

فرانس کا عظیم ترین جرنیل نپولین بوناپارٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:۔

" محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) دراصل سرورِ اعظم تھے۔ آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کر دئیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی اُمت نے نصف دنیا کو فتح کر دیا۔ پندرہ۱۵ سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ بُت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا' یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا۔ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصہ میں ہو گیا۔ جبکہ پندرا سو سال میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امتوں کو صحیح راستہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم انسان تھے ـــــ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہلِ عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ دنیا کے اسٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت اور شہرت حاصل کی' اس قوم نے بھی اس طرح ابتلا و مصائب کے دَور سے گزر کر عظمت حاصل کی اور اس نے اپنے روح و نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے تقدس و پاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔

(Bonaparte Ell' Islam (صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۰)

سوامی ویویکانندا لکھتے ہیں :۔

" اس کے بعد پیغمبر مساوات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تم پوچھتے ہو کیا ان کا مذہب اچھا ہے؟ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو پھر وہ زندہ کیسے رہتے۔ صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیاتِ دوام ملتی ہے۔ بُرے انسان کی زندگی کبھی طویل نہیں ہوتی۔ نیک انسان لافانی اس لئے ہے کہ اس میں تقدس اور صداقت کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسلام میں اگر اچھائی نہ ہوتی تو وہ ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مساوات اور انسانی اخوت کے علمبردار ہیں"۔

(Swamy Vivekananda's Works, Vol IV The Great Teacher of the World)
(PP.129-130)

یورپ کے مشہور مصنف و مفکر **باسورتھ اسمتھ** اپنی کتاب "Mohammed and Mohammedanism" محمد اینڈ محمدن ازم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحریر کرتا ہے :۔

" وہ مملکت کے حکمران تھے اور اسکے ساتھ ساتھ ہادیٔ مذہب بھی۔ ایک ہی وقت میں وہ قیصر بھی تھے اور پوپ بھی۔ ایسا قیصر جس کے پاس قیصر کی فوجیں تھیں۔ مگر پھر بھی دبدبہ و صولت لئے ہوئے تھا۔ وہ پوپ تھے مگر اللہ کا سچا نائب پاکباز زاہد ہادی اور صاحب رشد' کسی مستقل مزاج' کسی مقررہ مالیہ اور کسی تحفظ ذاتی کے بغیر اگر کسی انسان نے بے لاگ اور کامیاب سلطنت و حکومت فقط خدائی بل پر کی ہے تو وہ صرف محمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسرا کوئی بھی اس شان' اور ایسے حالات کے ساتھ دنیا کے اس رفیع اور بلند مرتبہ پر کبھی

نہیں پایا گیا۔

وہ بڑی طاقت کے مالک تھے۔ مگر یہ طاقت دنیوی وسائل واسباب کی نہ تھی، بلکہ ایمان محکم کی یزدانی طاقت تھی، اور یہی ایمانی طاقت تھی جو انہوں نے اپنے پیروؤں میں پھیلا دی تھی۔ دنیا کا ہمیشہ سے یہ چلن رہا ہے کہ دولت وثروت اور اقتدار وحکومت حاصل ہو جانے کے بعد انسان کے گھریلو اور سماجی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ اس کا بوریا، مسند قالین میں اسکی کملی شال دوشالے میں، اسکی جَو کی روٹی مزعفر ومرغ میں بدل جاتی ہے۔

لیکن دنیا میں ایک ایسا آنے والا بھی آیا کہ ملک عرب کے سولہ سو میل لمبے خطۂ ارض پر اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جانے کے بعد اسکی سیدھی اور سادی زندگی میں سرمو فرق نہ آیا۔ اس وسیع وعریض مملکت کا ایک انسان بھی اسکے پاس یہ شکایت لے کر نہیں آسکتا تھا کہ آپ ہم سے اچھی عمارتوں میں رہتے ہو، ہم سے بہترین کھانے کھاتے ہو، ہم سے بہتر سواریوں پہ چلتے ہو، اور آپ کو دنیا کا عیش وآرام ہم سے زیادہ نصیب ہے! اور نہ مملکت کا کوئی فرد یہ کہہ سکتا تھا کہ ہمارا کوئی والی وارث نہیں ہے، اس لئے مملکت کے سردار نے عام اعلان کر دیا تھا کہ

" انا وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ" (ترجمہ) جو بے والی اور جو بھی بے وسیلہ یا معذور ہو اسکی کفالت کی ذمہ داری میرے سر ہے۔ (بحوالہ اسلامی دنیا ۱۹۶۲ء)

فرانسیسی ادیب

Alfred de Lamartine

آلفریڈ ڈی لیمارٹین اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے:۔

عالم الٰہیات فصاحت وبلاغت میں یکتائے روزگار، بانی مذہب آئین ساز سپہ سالار، فاتح اصول۔ عبادت الٰہی میں لاثانی دینی حکومت کے بانی یہ ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم، جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمت بھی ہیچ ہے۔

مشہور مؤرخ **تھامس کارلائل** نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور عظیم المرتبت شخصیت کو فراخ تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب "آن ہیروز" ہیرو ورشپ اینڈ ہیرو ونگ ان ہسٹری" میں لکھتا ہے کہ" میں پیغمبر اسلام کی زندگی کی تیئیس سالہ اور بے داغ مثالی دَور کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہیرو تسلیم کرتا ہوں۔ کسی جلیل القدر شہنشاہ کی بھی مجال نہیں کہ وہ اپنی شاہانہ سطوت واحتشام کے باوجود اس خرقہ پوش بزرگ کا مقابلہ کر سکے۔ جب کبھی میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، تو میرے دل میں ان کی عظمت واحترام کا ایک نیا اور پہلے سے زیادہ مضبوط جذبہ پیدا ہوا ہے۔"

پرنسپل آر ایم رائے فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک ملک، قوم یا قبیلہ کی شخصیت نہیں تھے۔ بلکہ آپ کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ آپ کی تعلیمات پوری دنیا اور تمام اقوام کیلئے ہیں۔ آپ ہی نے پہلی دفعہ دنیا کے سامنے جمہوریت کا تصور اور عملی خاکہ پیش کیا۔"

امرناتھ گپتا نے کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی اور انسانی شکتی پورے طور پہ نمایاں

تھی ورنہ آپ کا دھرم دیش سے باہر نہ پھیلتا۔ آج ہم اسلام کو سنسار کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلا ہوا دیکھتے ہیں۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی لیڈر کی حیثیت سے بٹے ہوئے قبیلوں کو ایک قوم بنا دیا۔ آپ نے جمہوریت کا بیج آج سے چودہ سو سال قبل دنیا میں ڈالا۔ اسی طرح آپ نے سماجی لیڈر کی حیثیت سے بھی دنیا کو عظیم ترین راستہ دکھلا دیا۔

شری موہن لال گوتم سابق وزیر زراعت یو پی نے کہا تھا کہ ہم کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جنم دن سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنے نظر میں ساری دنیا کی بھلائی رکھنا چاہئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عربوں کے سب سے اونچے قبیلے میں پیدا ہوئے۔ مگر نہ صرف انہوں نے عرب قبیلوں کی طرح اونچ نیچ مٹا دیا۔ بلکہ عرب قوموں کا یہ غرور بھی ان کے دل سے نکال دیا۔ وہ ساری دنیا میں سب سے اونچے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

لارڈ برٹن لکھتے ہیں کہ میں کثیر مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کامل تھے اور انہوں نے انسانیت کی بقاء اور نجات کے لئے بڑے ہی کارہائے عظیم انجام دئیے ہیں۔ اور میں ان کے اخلاق حسنہ سے بے حد متاثر ہوا۔

(بحوالۂ دین دنیا)

یہ ہیں چند غیر مسلم مفکروں کے خیالات جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ ہم یقین سے اعلانیہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کے اس پیچیدہ دور میں بھی سارے مشکلات کا حل صرف مدنی آقا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ دستورِ حیات کر سکتا ہے۔ اور بس۔

بقیہ صفحہ ۸۸ پیرستہ شدہ مستحق خلافتِ کبریٰ شود، و متحمل امانتِ الٰہیہ می تواند و از ان خصائص کبریٰ کہ از جانب خالق السمٰوات والارض بندۂ کامل را عطا کردہ است خود را اہل او سازد۔ و این ہمہ مقاصد عالیہ و مدارج فاضلہ بغیر ذریعہ و وسیلہ ہرگز حاصل نباشد بلکہ ناممکن است ؎ ما بدان مقصد عالی نتوانیم رسید ۔ ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

تاریخ عالم برایں امر شاہد است کہ ہر قومے کہ از قعر مذلت بر آوردہ و براوج ترقی رسید یا از بامِ عروج و سربلندی در حضیض گمنامی آمد اسباب آنہا اعمالہائے اوست۔ چنانچہ گاہے چنان نشدہ است کہ قومے در راہِ ترقی رفتہ و موانع قدرت پابہ زنجیر او شدہ باشد، چنانکہ حق تعالیٰ فرمودہ است کہ ان اللہ لا یغیّر ما بقومٍ حتیٰ یغیّروا ما بانفسہم۔

مقصدِ بقاءِ اصلح

از
محمد طیب الدین
اشرفی
مونگیری

از ابتدائے آفرینش تا قیام قیامت سلسلۂ تنازع للبقاء وجہد للحیات قائم ودائم ہست وقائم ودائم ماند۔ باشندگان کرۂ ارض خواہ از کسے جنس ونوع باشند زیر اثر ایں قانون الہٰی ومنشاء قدرت وتقاضاء فطرت برائے تحفظ وبقائے خود در جہد مسلسل مصروف عمل اند نظر کنید بر کارخانۂ عالم کہ از یک فیل قوی الجثہ تا مور خورد بے حقیقت ہمہ حیوانات ذی روح حسب استعداد خود در فکر اسباب ذرائع حفاظت خود اختیاری وبراں امور کاربند ہستند کہ در حیطۂ قدرت واختیار او اند در حقیقت در سعی پیہم وتگاپوئے دمادم اسرار ورموز حیات پوشیدہ اند کہ فلاسفۂ یورپ دریافتن کتہہ او مصروف فکر وعمل اند۔

ناظرین! نظریۂ مسلمہ البقا والاصلح امروز فردا نزد ارباب علم وفضل چناں تحقیق شدہ مسئلہ ہست کہ دو دو چہار باشد دراں بحث نمی افتیم کہ ہر چہ از مسائل ونتائج مستخرجہ وپیدا کردہ اند ہمہ صحیح اند یا نہ، ایں حقیقت در واقع ونفس الامر ثابت شدہ ہست کہ انکار از مبانی ایں مسائل در اصل انکار نص قرآنی وانکار قانون قدرت ہست وبعد مشاہدۂ درگاہ عالم آن وانکار ہست از ان اصول حق تعالیٰ کہ در عالم نافذ ہست مقصد وحید از بقائے اصلح

این ہست کہ ہر قومے وجماعتے کہ دراں جذبہ وجوش عمل بیدار شود افراد آنہا در سینہ وقلب خود احساس حرارت وتپش می کنند ودر دلہائے آنہا ہمکنار شدن از لیلائے مقصود سوز وگداز وجذبۂ صادق موجزن شود وآں در دنیا کامیاب باشند وسکۂ نام آں در چہار دانگ عالم رائج می شود وانتظامِ لبست وکشادِ کارگاہِ عالم وکلیدِ خزائنِ ارضی در دستِ آن دادہ شود۔ بخلاف آں قوم اشخاص آنہا در تن آسانی مبتلا گردند وچوں طبیعتہائے آنہا جبن ونا موری وخوگرِ فضائل رذیہ وخسالت ورذالت می شوند، دستِ قدرت برائے تعذیب وتعزیر او دراز می شود ودر گلو آں قوم طوق غلامی ومحکومی اندازد، وقوم دیگر نیز ازاں نفرت می کنند۔ ودراں قوم ہمہ عیوب ونقائص پیدا گردند تا وقتیکہ مصلحے از سر نو در جسم مردہ آں روح حیات نہ دمد، سلسلۂ ترقی وتنزل قوم وارتقاء وانحطاط نشیب وفراز رفعت وذلت او تا وقت قیام یوم الجزاء قائم ماند، چہ ایں سنت قائم کردۂ رب العالمین ہست کہ دراں ہیچ تغیرے وتبدلے واقع نباشد وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَّلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔

مقصد بعثتِ انبیاء علیہم السلام وظہور قدسی آنہا در ہر زمانہ حقیقتہً این ہست کہ انسان را درس فراموش کردہ او یاد کنانند وتعلقات درمیان خالق ومخلوق مربوط کردن ہست وبنی آدم را چناں عمل آموزند کہ قوم خود را ازاں عمل آراستہ

بقیہ بر صفحہ ۸۷

ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از سید محمد انوار اللہ لطیفی متعلم درجہ ثانیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے لئے رسول بناکر مبعوث فرمایا اور وہ کعبہ جو دنیا میں سب سے پہلا خدا کا گھر ہے، تین سو ساٹھ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ لہٰذا آپ کے سامنے کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے ماسوا پورے عالم کے سامنے اسلام پیش کرنا لازمی منصوبہ تھا۔ اور یہ اہم کام صرف مکہ کی سرزمین پر رہ کر انجام دینا ممکن نہ تھا جبکہ تمام اہل مکہ آپ کی شدید مخالفت پر اتر آئے تھے۔ تیرہ ۱۳ سال پوری مشقتوں اور مصیبتوں کے برداشت کرتے ہوئے تبلیغ اسلام سے آپ کے حسب خواہ نتیجہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اور معدودے چند افراد کے سوا لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ لہٰذا دین الٰہی کو زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لئے کسی پُرسکون مقام کی ضرورت تھی۔ قبیلہ اوس خزرج کے اسلام قبول کرنے سے مدینہ طیبہ میں اسلام کی یہ جماعت فروغ پا رہی تھی۔ جو اپنا تن من دھن سب اسلام پہ نثار کرنے کے لئے پوری طرح سے تیار تھی۔ اس چیز کو دیکھ کر پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا مرکز مکہ شریف سے مدینہ منورہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔

نیز مدینہ طیبہ سے قاصدوں کے ذریعہ متواتر پیغامات آرہے تھے کہ آپ (مدینہ) یثرب تشریف لائیں۔ اس وقت مدینہ کی اندرونی حالت یہ تھی کہ دو بڑے قبیلوں میں زبردست نفاق اور باہمی جنگ کی بنا پہ وہاں کے لوگ کمزور ہو چکے تھے اور ان کی معاشی اور تمدنی زندگی پر یہودی عرب قابض ہو چکے تھے۔ سرآوردہ مدینہ پہ ایک طرح سیاسی اقتدار کو فروغ دیکر برسر اقتدار آنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایسے وقت میں دعوت اسلام میں اہل مدینہ کو باہمی اتحاد و اتفاق اور امیر و غریب کے درمیان مساوات کی جھلک نظر آئی جس کی وجہ سے پورے اخلاص کے ساتھ مدینہ آکر قیام پذیر کرنے کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہو چکا تھا۔ چنانچہ چھ سو بائیس ۶۲۲ سنۃ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہجرت فرمائی۔

اس ہجرت کو تاریخ اسلام و سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے، اور اسلام کے عروج کا باب اول ہے۔

مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت

مکہ معظمہ میں رفتہ رفتہ اسلام کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر قریش تلملا اٹھے اور ان کو ہرگز یہ گوارا نہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لائے ہوئے دین کو فروغ حاصل ہو۔ چنانچہ اس چیز کو دیکھ کر ظلم و ستم پہ اتر آئے اور مسلمانوں اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پہ مظالم کی انتہا کر دی۔ اس چیز کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ مسلمان یہاں سے ہجرت کرکے مدینہ کو چلے جائیں۔ اجازت ملتے ہی مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کرنے لگے۔ قریش دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور انہوں نے اور زیادہ مظالم شروع کر دیئے اور چاہا

کہ کسی طرح مسلمان ہجرت کرنے نہ پائیں لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

قتل کا مشورہ

جب نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اس وقت تک بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ چکے تھے، تو کفارِ قریش کو اس بات کی تشویش ہونے لگی کہ مدینہ میں کثرت سے اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے اور بہت سے لوگ اسلام کو قبول کر رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ ایک مستحکم و منظم گروہ بن کر ہم پر حملہ کر دیں۔ اور ہم شکست کھا جائیں تو بہت ہی ذلت کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ چنانچہ کفارِ قریش نے اسلام کو ختم کرنے کی ایک اہم تدبیر میں معروف ہو گئے۔ اور اپنے مشورہ گاہ دار الندوہ میں مختلف قبیلہ کے سردار جمع ہوئے اور مختلف خیالات کا اظہار ہونے لگا کوئی کہتا ہے کہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر دیا جائے۔ کوئی کہتا ہے جلا وطن کر دیا جائے، غرضیکہ جتنی زبانیں اتنی باتیں: آخر کار ابوجہل لعین نے یہ تدبیر پیش کی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد جمع ہو کر وہ جماعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر ڈالے (نعوذ باللہ من ذالک) سبھوں نے اسکی رائے پر اتفاق کر لیا اور اس کو بروئے کار لانے میں مصروف ہو گئے۔

ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جس رات کو حضور صلعم کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تھا اسکی خبر آپ کو معلوم ہوگئی۔ آپ نے اسی رات کو اپنے بستر سے پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو بلایا اور فرمایا مجھے ہجرت کا حکم مل چکا ہے۔ تم یہ کفارِ قریش کی امانتیں لو اور چادر اوڑھ کر اطمینان سے میرے بستر پر سو جاؤ اور تم ان تمام کی امانتیں واپس کر کے آ جاؤ۔ جب رات زیادہ ہوگئی کفارِ قریش خون کے پیاسے چاروں طرف محاصرہ کئے ہوئے تھے، اللہ کے پیارے رسول بڑے ہی اطمینان وسکون کے ساتھ سورۂ یٰسین کی آیات تلاوت فرماتے ہوئے آپ نے مٹھی بھر خاک لیکر ان کے چہروں پر شاهت الوجوه (چہرے بگڑ جائیں) لیکر پھینک دیا دشمنانِ قریش پر غفلت طاری ہوگئی۔ اور آپؐ باطمینان ان کے درمیان سے نکل کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ تیار و منتظر تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت صدیق رضؓ مکہ سے تین میل دور غارِ ثور میں روپوش ہو گئے۔ صبح ہوئی تو کفارِ مکہ آپکے بستر پر آپکے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو پاکر حیران و ششدر رہ گئے۔ اور آپ کی تلاش میں نکلے اور غارِ ثور تک پہنچے۔ دشمنوں کی آہٹ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دشمن ہمارے قریب آ چکے ہیں۔

آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے (سورۂ توبہ) کفارِ قریش آپ کو نہ پاکر مایوس ہو گئے۔ اعلان کیا جو کوئی محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے اس کو بہترین سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے۔ اس انعام کی ہوس میں سراقہ بن ہاشم تلاش میں نکلا۔ کچھ دور جاکر دیکھا آپ اور صدیق اکبرؓ مدینہ کی جانب جا رہے ہیں۔ چاہا کہ گھوڑا تیز دوڑا کر گرفتار کر لے، قریب پہنچا تو گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ بہت کوشش کی نجات نہ ملی تو فوراً امن کی فریاد کی۔ حضورؐ کے امن سے اسکو نجات ملی۔ پھر ارادہ بدلا تو وہی صورت پیش آئی پھر امن طلب کی اور امن مل گیا۔ بار بار ایسا کرنے پر یقین ہو گیا کہ اس میں دارین کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں، با اخلاص آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اہلِ مدینہ کا انتظار

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ آنے کی خبر اہل مدینہ کو معلوم ہوئی تو خوشی میں جھوم اٹھے اور ہر دن آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آکر آپ کا انتظار کرتے اور واپس ہو جاتے۔ آخر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی خبر اہل مدینہ کو ایک یہودی نے دیدی تو ان کے مایوس چہرے فوراً خوشی میں بدل گئے۔ سارے شہر والے استقبال کو مدینہ سے باہر آگئے، اور نعرۂ تکبیر سے پوری فضا گونج اٹھی۔

قبا میں بنیادِ مسجد

شہر مدینہ کے بیرون مقام قبا میں چند خاندانی انصار اپنی وہیں زندگی بسر کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی سرحد پر پہنچکر آپ نے پہلی منزل قبا کو ٹھہرائی۔ اللہ کے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کا پہلا شرف کلثوم بن ہدم کو حاصل ہوا۔ آپ کے قبا میں آنے کی خبر سنکر تمام انصار پے در پے اسلام لانے کے لئے حاضر ہونے لگے۔ حضورؐ پر نور نے مقام قبا میں چودہ ۱۴ دن تک قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد چند انصار کو لیکر اپنے دستِ اقدس سے تعمیر کی اور یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى اس آیت پاک سے مسجد قبا ہی مراد ہے۔ (سورۂ توبہ)۔

مدینہ میں داخلہ انصار کا جوش اور ابوبکر ایوب انصاری کے یہاں قیام

حضور صلے اللہ علیہ وسلم مسجد تیار کرنے کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ سارا مدینہ آپ کے استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا اور قبا سے مدینہ طیبہ تک انصار کی دو رویہ قطاریں کھڑی تھیں۔ ہر قبیلہ آپ کے پاس آتا اور کہتا کہ یا رسول اللہ یہ جان، یہ مال، یہ دولت ہے اور ہماری ہر شئی آپ کے لئے ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان کے لئے دعائے خیر کی۔ اور مدینہ میں بڑی شان و شوکت سے داخل ہوئے۔ عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں اور معصوم لڑکیاں جوش و خروش سے دف بجا بجا کر گانے لگیں۔

جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوبؓ کے مکان کے قریب پہنچے تو ہر ایک نے چاہا کہ حضورؐ ہمارے یہاں مہمان رہیں۔ اس کشمکش کو دیکھ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اونٹنی اللہ کی جانب سے مقرر کی گئی ہے۔ یہ جس کے دروازہ پر بیٹھیگی میرے میزبان ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو سن کر سبھوں نے مان لیا۔ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جاکر بیٹھ گئی اور سعادتِ عظمیٰ حضرت ابو ایوبؓ کو حاصل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک ان کے ہاں قیام فرمایا۔ اسی وقت سے سنہ ہجری کا آغاز ہوا ہے۔

(بحوالۂ تاریخ اسلام)

مختصر حالاتِ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ

از
محمد بشیر احمد اکرمی
لطیفی زمرہ ثانیہ

قرآن و حدیث کا ساتھ ہمیشہ رہا ہے بلکہ قرآن کی تفسیر کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے حدیث رسول ﷺ کی بہت ضرورت پڑتی ہے اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے حکم کے مطابق قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قرآن کی مزید تشریح و تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہوی۔ حدیث ان ہی ارشادات گرامی کا نام ہے جو قرآن کی مزید وضاحت کے لئے آپ نے زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے۔ پہلی صدی ہجری میں بڑی سرگرمی سے سنت رسول ﷺ کی جانب توجہ کی گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسکی تلاش حفاظت اور اشاعت کا کام کیا۔ ابتداءً حدیث جمع کرنے والوں نے کسی خاص احتیاط سے کام نہیں لیا معانی پہ زیادہ توجہ رہتی تھی۔ اور الفاظ پہ اتنی نگاہ نہیں تھی۔ علم حدیث کے ماہروں نے اور عالموں نے اسکی روک تھام کی بندش کے اصول اور قوانین بنائے۔

تیسری صدی ہجری میں حدیث کے علم کو کافی ترقی ہوی اس صدی میں حدیث کے ایسے بڑے ذخیرے جمع ہوئے کہ جن کو کتاب اللہ کے بعد صحیح کتاب کا درجہ ملا جن میں دو ذخیرے ایسے ہیں کہ جو اپنی ہمہ گیری اور وسعت میں اپنے اگلے پچھلوں پر فوقیت لے گئے۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری ہے۔ جسکو امام ابو عبداللہ محمد ابن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمایا ہے۔ جن کی سیرت پر گذشتہ اللطیف میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا صحیح مسلم ہے کہ جس کو امام مسلم ابن حجاج نے تصنیف فرمایا۔ امام مسلم کی کنیت ابوالحسن اور لقب عساکرالدین ہے۔ ان کے دادا کا نام مسلم ابن دردا ابن کوشاد ہے۔ قشیر کی نسبت بنی قشیر کی طرف ہے جو عرب کے مشہور قبیلوں میں سے ہے۔ اور نیشاپور خراسان کے علاقہ میں ایک شہر ہے جو اپنے اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف ہے امام مسلم نیشاپور میں قبیلہ بنی قشیر میں ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔

امام مسلم فن حدیث میں ان لوگوں میں سے ہیں جو اکابرین میں شمار کئے گئے ہیں۔ ابو زرعہ اور ابو حاتم ان کی امامت و جلالت کے شاہد ہیں اور ان کو زمرہ محدثین کا پیشوا مانا ہے ابو حاتم اور اس عصر کے دوسرے بزرگ جیسے ترمذی اور ابوبکر ابن خذیمہ ان سے روایت رکھتے ہیں۔ امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں تحقیق اور امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور اس صحیح میں خاص طور سے فن حدیث کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بھی اخص خصوص سرد اسانید اور متن کا حسن سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورع تام اور احتیاط البالغ ہے جس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اختصار کے ساتھ طرق اسانید کی تلخیص اور ضبط انتشار میں وہ کتاب بے نظیر واقع ہو گی اور اسی وجہ سے حافظ ابو علی نیشاپوری ان کی اس صحیح کو اس علم کی تمام تصانیف پر ترجیح دینے کے ساتھ یہ کہا کرتے تھے ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم (یعنی) دنیا میں مسلم سے

بڑھکر اور کوئی کتاب صحیح ترین نہیں ہے اور وہ اپنے دعویٰ کی یہ دلیل بیان کرتے تھے کہ مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح حدیث کو بیان کریں گے جسکو وہ تابعی ثقہ نے دو صحابی سے روایت کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے راویوں کے اوصاف میں صرف عدالت پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ شہادت کے بھی تمام شرائط کو ملحوظ رکھا ہے اور امام بخاری کے یہاں اسقدر تنگی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام مسلم نے نہایت تورع اور احتیاط کے ساتھ اُن تین لاکھ حدیثوں میں سے جو انکی مسموعہ تھیں انتخاب کرکے اس کو صحت سے بیان کیا ہے۔ مسلم کے عجائبات میں سے ہے کہ انھوں نے اپنی تمام عمر میں کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی صحیح اور سقیم حدیث کی مہارت میں اپنے تمام اہل عصر سے بڑھے ہوئے تھے، بلکہ بعض امور میں بخاری پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ امام مسلم کی اس صحیح کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ کتاب المسند الکبیر علی الرجال، کتاب اسماء والکنیٰ۔ کتاب العلل۔ کتاب اوہام المحدثین۔ کتاب طبقات۔

آپکا انتقال ۲۴ رجب یکشنبہ کی شام کو اور ۲۵ رجب ۲۶۱ھ میں دوشنبہ کے دن دفن کئے گئے۔

امام مسلم کی وفات کا عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک روز مجلس مذاکرۂ حدیث میں کسی شخص نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی تو آپ نے اس وقت اسکی شناخت اپنی کتابوں میں تلاش کرنے لگے۔ اس وقت ان کے گھر والوں نے کھجور کا ٹوکرا ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے۔ امام مسلم علیہ الرحمہ حدیث کی تلاش میں اس قدر منہمک رہے کہ حدیث کے ملنے کے وقت تک ان تمام کھجوروں کو تناول فرماگئے اور آپ کو کچھ پتہ نہ چلا اور یہی کثرت اکل غرضاً آپ کی وفات کا سبب بن گیا۔

حافظ عبدالرحمن بن علی الربیع یمنی شافعی نے لکھا ہے:۔

تنازع قوم فی البخاری ومسلم لدی
وقالوا ای ذین تقدم
فقلت لقد فاق البخاری صحۃ
کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلم

یعنی میرے نزدیک بخاری اور مسلم کے بارے میں ایک قوم نے تنازع کیا اور یہ کہا ان دونوں میں سے کون مقدم ہے میں نے کہا بخاری صحت کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں۔ اور مسلم ترتیب ابواب میں بڑھے ہوئے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور امام مسلم کے وسیلے سے ہم مسلمانوں کو صحیح مسلم سے پورے پورے استفادے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور حضرت امام کی قوت ایمانی سے سرفراز فرمائے۔

(آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔)

(بسلسلۂ تصرفات الٰہیہ صفحہ ۲۲)

اور اس کے لئے اسکی صلاحیت و استعداد کے موافق تدبیر فرماتا ہے۔ بندے کی تعجیل خلقی خود اسکے احساس تکلیف کو زیادہ کردیتی ہے اور وہ خود اپنے ہاتھوں مصیبت کو زیادہ کرلیتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر حال میں وہ صلاح و خیر ہی کے جانب اسے لیجا رہا ہے اور کامیابی سے قریب کر رہا ہے۔

غزل

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخنا شیخ المشائخ سید السادات و مولانا مولوی سید زین الدین شاہ سید ابوالحسن قربی ویلوری قادری رحمۃ اللہ علیہ

عطا کردہ مولانا ابوالصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب مدظلہ قادری

یک رات میں گیا تھا رنداں کے انجمن میں
بولے کہ اے ہوائی، یو نکتہ رکھ تو من میں

وحدت کے ملک میانے نیں غیر کا ٹھکانا
عینِ خدا سمج تو، جو ہے اس انجمن میں

کیا ساقی و مغنّی، کیا جام، کیا صراحی
غیرِ خدا نکو کہہ، گر ہے شراب دن میں

کیا لالہ، کیا یو سوسن، کیا نرگس و سمن کیا
ہے او چہ فی الحقیقت، گل ہے اگر چمن میں

یو نکتہ کر یقیں میں، ہر چیز کو جو دیکھیا
بیگانہ کیں دسیا نیں، بن دوست چوکدن میں

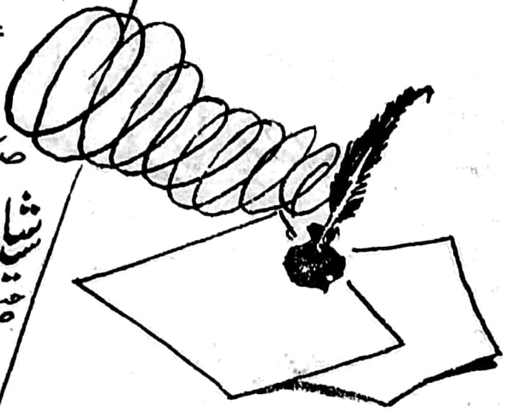
بن ذاتِ حق دسیا نیں یک ذات دو جہاں میں
بن اسمِ حق سنیا نیں یک بول یک دہن میں

غفلت کوں نیں ہے جاگا کاں سوں اچھیگی غفلت
ذاکر تمام عالم، ہے معرفت کے فن میں

ہے عشق او خدا کا گر عشق ہے جواں میں
ہے حسن او، اسی کا گر حسن ہے مہن میں

اے محرمِ خدائی یک ذرہ غور کر دیک
نکتے بھرے ہیں نہ کے قربی کے ہر سخن میں

عطا کردہ
مولانا ابو الحسن
صدر الدین
سید شاہ محمد طاہر
صاحب قادری
ناظم دار العلوم
لطیفیہ



مبادا

ناظرینِ "اللطیف" کی دلچسپی کیلئے پُر از معلومات ایک "مبادا" پیش کیا جا رہا ہے جو تقریباً ستر یا اسی سال قبل ایک اخبار مطلعِ نور کانپور میں شائع ہوا تھا۔

مرد بے ننگ ، مرغ بے جنگ ، محفل بے شمع ، مفتی بے شرع ، چراغ بے روغن
خیاط بے سوزن ، گاؤ بے شیر ، کمان بے تیر ، شتر بے مہار ، پالکی بے کہار ،
اسپ بے لگام ، تیغ بے نیام ، فیل بے زنجیر ، صیاد بے نخچیر ، عورت بے غیرت
شراب بے کباب ، گوہر بے آب ، نازنین بے ناز ، مطرب بے ساز ،
چشم بے مروّت ، امید بے ثروت ، نامہ بے منزل ، ناقہ بے محمل ،
عروس بے شوہر ، مرد بے زر ، داماد بے تکلف ،
صوفی بے تصوف ، مریض بے پرہیز ، کرسی بے میز ،
چاقو بے دستہ ، فصدے بے بستہ ، باغ بے گل
مکان بے صحن ، طالب العلم بے ذہن ،
وکیل بے منطق ، دلیل بے حق ، دل بے نور ،
بہشت بے سرور ، رقص بے نقال ، محلہ بے بقال ،
عالم بے عمل ، حاملہ بے حمل ، مسافر بے توشہ ،
انگور بے خوشہ ، جنگل بے درخت ، خانہ بے رخت ، دوست بے وفا ، معشوق بے جفا ،
زمیں بے آسمان - یار بے رفاقت ، اخبار بے ظرافت ، زندگی بے عشرت ، تدبیر بے فطرت ، ملک بے سیاست ،

ماخوذ
از بیاض حضرت مولانا الحاج رکن الدین سید شاہ محمد قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

از محمد ابوبکر ملباری زمرۂ ششم دار العلوم لطیفیہ ویلور

پیدائش و اسم گرامی

آپ کا نام علی رضی اللہ عنہ اور آپکی کنیت ابو الحسن یا ابو تراب اور آپ کا لقب حیدر کرار اور آپکے والد کا نام ابو طالب ہے اور آپکی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ کی پیدائش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دس برس پہلے ہوئی ہے۔

حلیہ مبارک

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی چہرہ پُر رونق اور سر میں بال بہت کم تھے، اور داڑھی بہت گھنی و عریض اور گردن صراحی دار تھی۔

آپکے مربی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط سالی نے اس پریشانی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اس لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہم کو چچا جان کی اس تنگ حالی میں ان کا ساتھ دینا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد حضرت جعفر کی ذمہ داری لے لی۔ اور سرور کائنات کی نگاہِ انتخاب نے علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا۔ چنانچہ اس لئے آپ ہمیشہ ساتھ رہے اور آپ ہی کے زیر سایہ تربیت پاتے رہے۔

قبولِ اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ابھی دس سال کی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرتبۂ نبوت پر فائز ہوئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دعوت حق لوگوں کو دینے کا پیغام سنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ابھی دس سال کی تھی۔ حضرت علی ہمیشہ آپ کے پاس رہتے تھے۔ لہٰذا اسلام کا رنگ آپ پر بہت جلد نمایاں ہو گیا اور جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر اسلام پیش کیا فوراً قبول کیا اور آپ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور ان سے اولاد

آپ کا نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ۲ھ میں ہوا اور اس طرح معیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ سید الانبیاء کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کی شادی کے متعلق یوں روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست بارگاہِ رسالت میں پیش کی تو حضور نے اس پر خاموشی اختیار کی، ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا۔ پھر جب مولائے کائنات نے درخواست پیش کی تو حضور نے دریافت فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے تو حضور نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے

لئے ہے۔ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اس زرہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو ۸۰ درہم میں فروخت کر دیا اور اس کی قیمت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لاؤ۔ مذکورہ چیزیں آنے کے بعد خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا۔ اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا کی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دو اولادِ ذکور حضرت سید امام حسن رضی اللہ عنہ، سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، اور دو اولاد اناث سیدہ حضرت زینب اور سیدہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔

دیگر ازواج اور ان سے اولاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتونِ جنت کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دوسرا نکاح حرام فرما دیا تھا۔ لہٰذا خاتونِ جنت کے وصال کے بعد آپ نے ام البنین حرام سے نکاح کیا ان سے حضرت عباس جعفر، عبداللہ، عثمان رضی اللہ عنہم ہوئے۔ اور لیلیٰ بنت مسعود سے حضرت عبیداللہ و ابوبکر رضی اللہ عنہما اور حضرت اسماء بنت عمیس سے حضرت یحییٰ، محمد اصغر رضی اللہ عنہما اور امامہ بنت ابی العاص نواسئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محمد اوسط رضی اللہ عنہ، اور خولہ بنت جعفر سے محمد اکبر جن کو محمد بن حنفیہ کہا جاتا ہے اور ام سعید بنت عروہ سے ام الحسن رملہ کبریٰ اور صہباء سے جو باندی تھیں، ان سے عمر اور رقیہ رضی اللہ عنہما اور ام ہانی میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ۔ فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جماز

نفیسہ رضی اللہ عنہن، یہ تمام صاحبزادیاں باندیوں سے تھیں۔

آپ کی طرزِ زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شب و روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خدمت میں رہتے تھے۔ خواہ وہ مشورہ کی مجلس ہو، یا تعلیم و ارشاد کا مجمع ہو یا کفار اور مشرکین سے مباحثہ ہو یا معبودِ حقیقی کی عبادت ہو، ہر طرح کی صحبتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہتے تھے اور ہر غزوے، میں آپ پیش پیش رہتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی زندگی کو بالکل سادی بنا دیا تھا۔ آپ کھانا بہت ہی معمولی روکھا پھیکا کھاتے تھے۔ آپ کو عمدہ و قیمتی لباس کی جانب ذرا برابر بھی توجہ نہیں تھی۔ آپ عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا "العمامۃ تیجان العرب" یعنی عمامہ عربوں کا تاج ہے اور کبھی سفید ٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔ اور آپ کے کرتے کی آستین اتنی چھوٹی تھی کہ اکثر ہاتھ کا حصہ کھلا رہتا تھا اور تہبند آدھی ساق تک رہتا تھا اور آپ ہمیشہ ایک چادر اور ایک تہبند پر قانع رہتے۔

غزوات میں شرکت

آپ نے بدر، احد اور خیبر وغیرہ اور اس کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں شریک ہو کر بہت ہی کامیاب خدمات انجام دیا۔ سوائے غزوۂ تبوک جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں آپ کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اس وقت سیدنا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کچھ خیال ہوا، تو حضور نے ان سے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون

من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی (ترجمہ) تم میری طرف سے اس مرتبہ میں ہو جس مرتبہ میں حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہا۔ اسی عرصے میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت قبول کرنے کے لئے بہت اصرار کیا۔ حضرت اس گراں بوجھ کے اٹھانے سے انکار کرتے رہے۔ لیکن مہاجرین و انصار نے آپ کو اس بارِ گراں کے اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ۱۲ر ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستِ مبارک پر لوگوں نے بیعت کی۔ آپ نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلا کر ان کو سزائیں دینے کی تجویز عمل میں لائی۔ آپ مسندِ خلافت پر ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک جلوہ افروز رہے۔

شہادت

ایک مرتبہ حضرت سیدنا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کو صبح سویرے آتے وقت اپنی عادت کے موافق الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے لوگوں کو جگاتے ہوئے مسجد آ رہے تھے۔ اور ابن ملجم جو گھات میں تھا آپ کے سامنے آتے ہی زور سے آپ کے سر پہ تلوار چلائی۔ تلوار بہت ہی زہر آلود تھی اور زخم بہت کاری لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ زخم کھاتے ہی کہا لوگو دوڑو۔ فوراً لوگ دوڑ پڑے اور ابن ملجم کو گرفتار کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کو قتل نہ کرو اگر میں شہید ہو جاؤں تو اس کو بھی تلوار سے ایک مار میں قتل کر دینا۔ اور اگر میں زندہ رہا تو میں فیصلہ کروں گا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن ہوا۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ر رمضان المبارک شب یکشنبہ ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھایا اور اس آفتابِ رشد و ہدایت کو کوفہ عریٰ نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

وفات کے وقت آپکی عمر ترسٹھ ۶۳ سال کی تھی

سلسلۂ مضمون بر صفحہ ۳۲ خلقتنی من نارٍ و خلقتهٗ من طینٍ پھر فرمایا یہ قیاس ابلیس کا تھا اور سب سے پہلے ابلیس ہی نے قیاس سے کام لیا ہے اور حضرت امام شعبی فرماتے ہیں، خدا کی قسم اگر قیاس و رائے سے کام لوگے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دو گے۔ وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ واصحابہ اجمعین۔

انا العبد المدعو باضعف العباد
ننگ اسلاف عبدالواحد غفرلہ ولوالدیہ واحبابہ ومشائخہ
برحمتہ وھو ارحم الراحمین
کفش بردار مدرسۂ لطیفیہ ویلور

ماہِ شعبان المعظم کے فضائل

از کے۔ یم علیم اللہ خان زمرۂ ثالثہ
دار العلوم لطیفیہ ویلور

تمام خوبیاں اس ذات واجب الوجود کیلئے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا اور اسکی بقا کیلئے ایک مضبوط نظام کو وجود میں لایا، اور درود وسلام نازل ہو انبیاء ورسل کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے وسیلے سے ہمیں ایمان واسلام ملا۔

شعبان کو شعبان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس ماہ میں خیر کثیر جدا جدا اور بندوں کے رزق اور عالم کے تمامی امور مقدرہ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پتہ چلتا ہے، کہ حق تعالیٰ نے شعبان کے اندر بہت ہی فضیلتیں اور برکتیں رکھی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فضیلتوں کو بیان فرما کر لوگوں کو اس کی جانب ترغیب دلائی ہے تاکہ اللہ کی خوشنودی طلب کریں۔ اللہ کے بندے اس برکت والے مہینے کو غفلت میں نہ گذاریں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں،

اِذا دخل شعبان طهروا انفسكم كشهر رمضان واحسنوا بينكم فيه فان فضل شعبان كفضلي عليكم الا ان شعبان شهري ومن صام لله عشر يومًا حلت له شفاعتي

جب شعبان کا مہینہ آجائے تو اپنے نفسوں کو پاک کرلیا کرو، جیسے رمضان میں پاک کرلیا کرتے ہو اور آپس میں نیکیاں کیا کرو، شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری بزرگی تم پر۔ جان لو کہ شعبان میرا مہینہ ہے۔ جس نے اللہ کے واسطے اس مہینے میں دس روزے رکھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔

نیز چند احادیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے بخوبی واضح ہوجائے گا کہ یہ مہینہ اپنے اندر کتنی خوبیاں رکھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رمضان کے بعد کونسا روزہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا شعبان کا۔ نیز آپ نے فرمایا ماہِ رجب کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسی قرآن کریم کو تمام کتابوں پر اور شعبان کو بھی وہی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ میری بزرگی تمام انبیاء علیہم السلام پر اور رمضان کی بزرگی ایسی ہے کہ جیسا کہ خدائے واحد کو تمام مخلوق پر۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذالك شهر بين رجب ورمضان يغفل الناس فيه وفيه يُرفع اعمال العبد الى الرب فاحب ان يرفع عملي وانا صائم

(ترجمہ) یہ مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے۔ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کی مغفرت کرتا ہے۔ اور اس ماہ میں بندوں کے اعمال اللہ کے پاس اٹھائے جاتے ہیں میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں اٹھائے جائیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جو شخص شعبان کا ایک روزہ رکھے گا' خدائے تعالیٰ اس کے جسم کو دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا۔ وہ جنت میں حضرت یوسف علیہ السّلام کی رفاقت میں رہے گا۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بندگی کے لئے اس رات میں غسل کرے گا' ہر قطرہ پر سات سو رکعت کا ثواب پائے گا۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شعبان کا پہلا ایک روزہ اور آخر کے تین روزے رکھیگا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ستر پیغمبروں کا ثواب لکھے گا اور ایسا مرتبہ عطا فرمائے گا کہ گویا اس نے ستر برس عبادت کی اور اگر اس مہینہ میں مریگا تو شہادت کا مرتبہ پائے گا۔

روض الافکار میں ہے کہ ایکمرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر چڑھے' آپ نے اس میں ایک سفید پتھر دیکھا اور اس کے اردگرد گھوم کر چاروں طرف سے دیکھ بھال کر تعجب کیا۔ خدا نے آپ پر وحی نازل کی اور فرمایا عیسےٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ایک چیز تمہارے لئے ظاہر کردوں۔ مسیحؑ نے کہا جی ہاں۔ یہ کہتے ہی پتھر پھٹ پڑا اور اس میں سے ایک مبارک شخص نکلا جسکے ہاتھ میں ایک ہری شاخ تھی اور انگور کی بیل اسکے پاس پھیلی ہوی تھی۔ مسیح نے جب اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا یہ میری ہر دن کی روزی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' بھلا تو بتا سکتا ہے کہ اس پتھر میں کتنی مدت سے عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے' کہا چار سو برس سے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں گذارش کی کہ میرے خیال میں تو شاید اس شخص سے افضل و اشرف اور کوئی پیدا نہ کیا ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو شخص بھی شعبان کی پندرہویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے گا وہ اسکی چار سو برس کی عبادت سے افضل ہوگا۔

اخیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کاش! میں بھی امّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا تو بہت اچھا ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دو رکعت نماز کی فضیلت ایسی ہے تو بتاؤ کہ آدھی رات کی فضیلت کیسی ہوگی۔

لوگو! امتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و رحمت کا اندازہ لگاؤ کہ اس سے مختصر سی عبادت میں کتنے اجر مقدر فرمائے اور اس کے ذریعے اس کا مرتبہ امم سابقہ پر کس طرح درجہ بلند فرمایا۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس متبرک مہینہ کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیں اور اسکی برکتوں کے حاصل ہونے کی کوشش کریں۔ تاکہ ہمارا خدا ہم سے راضی ہو جائے۔

حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف ذوقی قادری رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۱۵۱ھ میں ویلور بمقام مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۱۹۳ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ مزار مکان کے احاطہ ہی میں مسجد کے مشرقی حصہ میں خاندانی گنبد میں مرجع خلائق ہے۔ (ادارہ)

از الحاج مولانا حافظ محمد یوسف کوکن صاحب، ایم اے
صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو۔ مدراس یونیورسٹی۔ مدراس

حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی رحمۃ اللہ علیہ ان ارباب علم و فضل و کمال میں سے ایک ہیں، جن پر جنوبی ہند بجا طور پہ فخر کرسکتا ہے۔ وہ بیک وقت زبردست عالم و فاضل، عارف کامل اور بے مثال شاعر اور نثر نگار تھے۔ زود نویسی اور بدیہہ گوئی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ نظم بھی اسی تیزی سے لکھتے تھے جتنی نثر کی تھی۔ دونوں میں آمد تھی، آورد نہ تھی۔ ان کی تحریروں میں رد و بدل اور کانٹ چھانٹ نہیں ہوتی تھی، وہ پہلی ہی دفعہ اس طرح لکھتے تھے، جیسے کوئی اپنی آخری تحریر لکھ رہا ہو۔ ایک نشست میں سات سَو سے زیادہ اشعار نظم کر دیتے تھے۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے اندر ایک ضخیم مثنوی تیار ہو جاتی تھی۔ ان گوناگوں خصوصیات میں ان کا کوئی بڑے سے بڑا ہمعصر بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحی بنگلوری اپنی مشہور مثنوی مطلع النور میں لکھتے ہیں :-

~~~

جودتِ طبع جب تھی اس کی رسا
اور تھا تیز اس کا فہم و ذکا
ہوا مائل مطالعے کی طرف
تھوڑی مدت میں ہی وہ کانِ شرف
عربی معتبر کتب پہ تمام
ہوا حاوی بفضلِ ربِ انام
علم منقول اور فن معقول
اور علم فروع اور اصول
سب پہ قادر کیا اسے قادر
ہوا ہر فن میں وہ بڑا ماہر
اور تصوف کے سب رموزِ دقیق
~~~

اپنے والد سے کر چکا تحقیق
ہوا یکتا، دلیل و برہاں میں
اور کشف و شہود و عرفاں میں
اور فکرِ سخن میں اے دمساز
وقت میں اپنے سب سے تھا ممتاز
اس کا کوئی سمجھ عدیل نہ تھا
کوئی اس ملک میں مثیل نہ تھا
بس اس فن میں وہ گرامی تھا
ثانی جامی و نظامی تھا
یہ نہیں ہے مبالغہ اے یار
واقعی ہے یہ بات بے تکرار

الّلطیف کے یہ چند صفحات ان کے اوصافِ حسنہ کے بیان کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اس کے لئے ایک دفتر اور مستقل کتاب چاہئے۔ تاہم ذیل میں ان کی چند خصوصیتیں ظاہر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان سے قارئین کو ایک ہلکا سا اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ذوقی کن غیر معمولی صفات کے مالک تھے۔

عام طور پر چار سال چار مہینے اور چار دن کے اختتام پر بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی جاتی تھی، مگر حضرت ذوقی کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تھا۔ دس برس کی عمر میں گلستان اور بوستان پڑھی۔ اس کے بعد عربی صرف و نحو کے حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ مگر جب کتابوں میں جی نہ لگا تو پڑھنا چھوڑ دیا۔ پندرہ سال کے ہوئے تو کشتی اور تیر اندازی کی، مشق شروع کی اور بزم کی بجائے رزم کے معرکے سر کرنے چاہئے اسی دوران میں انہوں نے ایک خواب دیکھا کسی بزرگ نے حضرت ذوقی کو خبر دی کہ حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں۔ میاں تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ حضرت نظامیؒ کی قدمبوسی کرو اور فیض حاصل کرو۔ حضرت ذوقی دوڑے ہوئے گئے اور حضرت نظامیؒ سے بہت ادب اور محبت کے ساتھ ملے۔ پھر یکایک ان کے ذہن میں یہ بات آئی کیوں نہ ان سے براہِ راست سکندر نامے کے شکوک و شبہات حل نہ کرلیں۔ فوراً کتاب اٹھا لائے اور حضرت نظامی سے پڑھنا شروع کیا۔ بیدار ہوئے تو اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ ابوالحسن قرنی سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور کتاب اٹھا لاؤ۔ ذوقی کتاب لے آئے اور اپنے والد سے پڑھنا شروع کیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اشعار کے معانی و مطالب کے سارے دروازے ان پر کھل گئے۔ چند دنوں کے اندر فارسی زبان سے حقیقی چسکا پیدا ہوگیا۔ اس واقعہ کو حضرت ذوقی نے بہت ہی دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے، کہتے ہیں :-

من آنم کز زمانِ طفلی آہنگ
ندانم جز براہِ علم و فرہنگ
بہ ہفتم سال قرآں کردم آغاز
شد از وی دیدۂ عرفان من باز
چو شد سالِ دہم با من برابر
بگلگشتِ گلستاں بر زدم سر
بسوئے بوستاں بس کردم آہنگ

کلہ بگرفت از ہم آب و ہم رنگ
بہ نحو و صرف کردم آں زمانِ او
نہ شد بر طبعِ من حل مشکل او
دراں مدّت موادم بود کمتر
بہ پیچیدم ز درسش آں زماں سر
چو گشتم پانزدہ سالہ ز تقدیر
نہادم رو بعلم گشتی و تیر
بہ بند بند کشتی او فتادم
بہر بند از کشاکش باز دادم
دراں مدّت شبے در خواب بودم
ز بختِ خویش دولت یاب بودم
بخواب آمد برِ من نامدارے
خردمندے عزیزے باوقارے
بگفتا در فلاں جا شیخ نامی
شہنشاہِ سخن گویاں نظامیؒ
اقامت دارد و مردم ز ہر سُو
ہمی بوسند خاکِ حضرتِ او
چرا بنشستۂ غافل چو ناداں
برو سُوئے جنابِ شیخ شاداں
فکرؔ منی و قرؔ بنی ولاقا
وجدتُ لطفہ کأسًا دہاقا
نشستم پیشِ رُویش سر فگندہ
متاعِ ننگ و نام از بر فگندہ
بدل گفتم کزیں استاد مہتر
کُنم درسِ سکندر نامہ از بر
کتابِ صبح چوں بنمود مطلع
مُزیّن شد شب از تزئین مقطع
بہ پیشِ شیخ خود رفتم سُبک تاز
سکندر نامہ خواندن کردم آغاز
دگر در محفلِ تازی رسیدم
ہمہ انوار با مصباح دیدم
بمنطق با شرحِ شمسہ خواندم
ز حکمت شمّہ در دل نشاندم
کنوں در روز و شب دربند آنم
کہ شمعِ علم افروزد بجانم
سُتگر گفتاریم از جہد خود نیست
کہ زیناں شعر گفتن جز مدد نیست
کند یاری مَرا گر شیخ پیوست
بار بابِ سخن رانم زبردست

اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی کی قوت گویائی وہبی تھی، کسبی نہیں تھی۔ انہوں نے صرف چوالیس برس کی عمر پائی تھی، اس میں بھی وہ مسلسل تین سال بیمار رہے۔ اس کے باوجود اس مختصر سی مدت میں انہوں نے ساٹھ سے زیادہ کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی گھگوری تحریر فرماتے ہیں :-

اور تصانیف اس کے در تعداد
ساٹھ سے بھی زیادہ ہیں رکھ یاد
ان کے ابیات نظم و نثر تمام
تین لک سے زیادہ ہیں اے ہمام

عمر حالانکہ اس کی باتقدیس
تھی بوقتِ وفات چونالیس
اور تھا تین سال تک بیمار
بایں عمرِ قلیل اے ہشیار
ہیں تصانیف اس کے ایسے کثیر
حق دیا تھا یہ قوتِ تحریر
بلکہ دیکھے ہیں بعض اے اکرم
کہ رواں خود بخود تھا اس کا قلم
اس کے ایسے تصرفات اے یار
پائے ہیں بار بار چند اخیار
اور کتابت میں تھی یہ شانِ علا
کہ گلستاں وہ ایک شب میں لکھا
اور تصنیف وہ جو کرتا تھا
نہیں کرتا تھا مسودہ اصلا
تھا بلا شک مسودہ بھی وہی
اور مقرر مبیّضہ بھی وہی

نثری تصنیفات میں آپ کی تفسیرِ تفسیرِ لطیفی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اب تک چھپ نہیں سکی ہے اگر یہ منظرِ عام پر آجائے تو قارئین کو اندازہ ہو کہ حضرت ذوقی نے قرآن مجید کے معانی و مطالب کے بیان کرنے میں کیسی کدو کاوش کی ہے۔ مختصر المناظر اگرچہ صرف سو صفحوں کا رسالہ ہے مگر انشا و بلاغت کے متعلق اس میں بڑی مفید بحثیں ہیں۔

اس کو ۱۱۸۹ھ میں بحیثیت ایک درسی کتاب کے لکھا تھا۔

علم عروض پر بھی ۸۵ صفحوں کی ایک کتاب لکھی ہے، جو بیحد مفید ہے۔

خطوط نویسی میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں کئی کتابیں موجود ہیں۔ جن سے اس دور کے تاریخی حالات کا پورا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ انشائے عقائد۔ انشائے لطف اللّٰہی۔ انشائے باقری وغیرہ آپ کے دلچسپ اور معلومات افزا خطوط پر مشتمل ہیں۔ بہت سے خطوط نظم میں ہیں جن میں حد درجہ سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم ایک خط نقل کرتے ہیں، جو نواب محمد علی والاجاہ کے بڑے فرزند نواب عمدۃ الامرا کو لکھا گیا تھا۔

صبا بر خیز، یک دم آنِ من باش
ہوا خواہِ دلِ ویرانِ من باش
مرایں نامہ کہ نغز آمد بیانش
زمن تا عمدۃ الامرا رسانش
چو گفتی شمۂ از شوقِ درویش
سلامِ او بگو، بر گرد از پیش
منم ملکِ ہنر و اندر سخن فرد
معین ملکی آخر اے جواں مرد
بغیر بذل کارت روز و شب نیست
کہ بذل از عمدۃ الامرا عجب نیست
بہ بخشش بگزرد از لک شمارت
چہ پنجاہ و صد و پنج ہزارت
ترا گویند مردم حاتم جود
نہ حاتم بلکہ ہستی خاتمِ جود
ظلام ظلم در ذاتت نیاید
بجز نور از سراج آخر چہ زاید
بسا مشکل کہ کردی بر من آساں

کند ہر مشکلت را ذوالمنن آساں
ز عالم گوشہ گیراں را کہ پرسد
چنیں چوں تو فقیراں راکہ پرسد
بزر ہر چند مسروریم نہ بود
بجوازنست از طرب دوریم نبود
زیادت خواہ اقبال شمائیم
اگر بخشی وگرنہ در دعائیم
بہبروزی ات دارم میل خاطر
خداوندا تو می دانی ضمائر
جزائے آنچہ دادی زانچہ دادت
بروہندی دہد حق با زیادت
دہد از فضل خویشت جملہ شئی را
جزاک اللہ فی الدارین خیرا
بحفظ خویش دارد از مصائب
عفاک اللہ عن شر النوائب
دلت زیں عالم غم غم بنیاد
ہم از دوران گردوں ہم بہ بنیاد
کہ ومہ باشدت از دل ثناگو
بذوق وشوق تو ذوقی دعاگو

یہ خطوط کچھ نفع اندوزی کے لئے نہیں تھے۔ بلکہ دوسرے غربا ومحتاجان کی امداد واعانت کے سلسلے میں لکھے جاتے تھے، نواب محمد علی والاجاہ اور ان کے دو صاحبزادوں نواب عمدۃ الامرا اور نواب امیر الامراء کو حضرت ذوقی سے خاص طور پر اس لئے عقیدت پیدا ہو چکی تھی کہ آپ ہی کی اجازت سے تنجاور کے زبردست راجہ پر حملہ کیا تھا اور اس پر فتح پائی تھی۔ حضرت ذوقی نے اس پر حملہ کی اجازت اس بنا پر دی تھی کہ خواب میں ایک بزرگ نے قلعہ تنجاور کی کنجیاں حوالے کی تھیں۔ اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ دشوار گزار قلعہ آسانی سے فتح ہو جائے گا۔ مولوی عبدالحی صاحب فرماتے ہیں:۔

اور نواب بندر مدراس
بھیجا ہے یک عریضہ شیخ کے پاس
کہ میں رکھتا ہوں اے نکو محضر
قصدِ تسخیرِ ملک تنجاور
اگر اُمیدِ فتح ونصرت ہو
آپ کی گر مجھے اجازت ہو
تو سفر کر یہاں سے جاؤں گا
ورنہ میں اس سے باز آؤنگا
شیخ تب اس کو یہ جواب لکھا
کہ تو جا فتح دیوے گا مولا
متفکر ہو تب کئی احباب
شیخ سے یوں کئے ہیں عرض جناب
حاکم فوج ملک تنجاور
جنگ میں سخت تر ہے اے رہبر
نہیں معلوم ہووے کیسا حال
کیا ارشاد تب وہ با اجلال
جانیو تم بشہر تنجاور
قبر ہے اک بزرگ کی اشہر
خواب میں میرے وہ بزرگ نے آ

مجھ کو اس طرح سے ہے فرمایا
کہ یہ قلعے کی کیلیاں تا حال
تھے بلا شبہ میرے پاس بحال
حکم مجھ کو ہوا ہے اب بے قیل
کہ کروں ان کو آپ کے تحویل
کیلیاں پس وہ دے کے میرے ہاتھ
وہ روانہ ہوئے خوشی کے ساتھ
میں نے نواب کو اسی خاطر
فتح کی دی بشارتِ خاطر

جب نواب محمد علی والاجاہ نے اس غیر معمولی عقیدت کی بنا پر اُن کے نام جاگیر کا پروانہ پیش کیا تو درویشانہ شان بے نیازی ظہور کر آئی اور حضرت ذوقی نے اس پروانہ کو آگ کی نذر کر دیا۔ اور جب نواب والاجاہ نے اس پر حیرت و استعجاب ظاہر کیا تو کہا اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ پروانہ تھا آگ کی نذر ہو گیا۔ مولانا عبد الحی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اور نواب جو تھا والاجاہ
صاحب تخت و ملک و فوج و سپاہ
لا کیا نذر اس کے لے دانا
ایک جاگیر کا ہے پروانہ
اس کو وہ شمع پر جلایا ہے
اور سخن یہ زباں پہ لایا ہے
ہو وے پروانہ شمع پہ سوزاں
ہوا نواب دیکھ یہ حیراں

شاعری کی ہر صنف پہ طبع آزمائی کی ہے۔ جس سے ان کی قادر الکلامی پوری ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے ہم عصروں میں وہ صرف مولانا باقر آگاہؒ کے مداح تھے اور جا بجا ان کی تعریف کی ہے، مگر وہ بھی ان کی روانی طبع پر حیران رہ جاتے تھے۔ اکثر راتوں میں دونوں بیٹھ جاتے تھے۔ بیت بازی شروع ہوتی تھی۔ وہ کوئی مصرعہ یا شعر کہتے جس پہ باقر آگاہ گرہ لگاتے اور تضمین کرتے۔ انشائے لطف الٰہی اور انشائے باقری میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ مثالیں پیش کر سکوں۔ جس کسی کو خواہش ہو ان کو پڑھ کر پوری طرح لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

اکبری دور کے مشہور شاعر عرفی کے قصیدوں کے ردیف اور قافیہ میں بہت سے قصیدے لکھے ہیں۔ ان میں بادشاہوں اور امیروں کی مدح نہیں ہے۔ بلکہ بزرگانِ صوفیہ اور ائمہ اہل بیت کی شان میں یہ قصیدے لکھے ہیں۔ زورِ کلام کے لحاظ سے یہ عرفی کے قصیدوں سے کم تر نہیں ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں، بحر اللآلی کے نام سے ننانوے اشعار پر مشتمل ایک زور دار قصیدہ لکھا ہے جس کی تشریح احسن الاسلوب کے نام سے نثر میں کی تھی۔ اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

عبد قادر پیرِ ما در دین و دنیا سرور است
پائے او، از پایۂ عالی سراں را بر سر است

آخر کے چند اشعار یہ ہیں :۔

این قصیدہ کاندرو احوال شہ کردم بیاں
چند بیت آمد بصورت در معانی دفتر است
نامِ بحر اللآلی کردم و کردن روا ست
حرف حرفش در لطافت بر مثالِ گوہر است

یارب ایں گمراہ عاصی را سوئے خود رہ نما
از طفیلِ شیخ دیں کو گمرہاں را رہبر است
ذوقیِ سرگشتہ را جز آستانش نیست جائے
تا رسد او را بجان و دل غلام و چاکر است
بو الحسن آں فخرِ دیں مخدوم و ناصر بندہ را
دُرِّ دریائے صفا راجی محمد ہمسر است
ہمچو شیخ اسحٰق در راہِ محمد پیشوا
بلکہ چوں بونصر بوصالح مشائخ را سر است
از طفیل آنکہ پایش بر رقابِ اولیا است
بر سرم پاینده دارش تا کہ گردوں بر سر است

حضرت ذوقی کا ذوقِ ادب ان کی تاریخی اور ادبی مثنویوں میں پوری طور پر نمایاں ہے۔ ان کی دو تاریخی مثنویاں، جنوبی ہند کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں، پہلی مثنوی "مثنوی دُرِّ بے بہا" ہے کہ تنجاور کی فتح سے متعلق ہے۔ اس میں جنگ کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس جنگ میں شریک تھے اور اپنی آنکھوں دیکھا حال لکھ رہے تھے۔ یہ مثنوی غالباً ۱۱۸۱ھ میں قلمبند ہوئی ہے۔

دوسری مثنوی محمد نجیب خان شہید کے حالات پر ہے جو نواب انور الدین کے بہترین رفیق کار اور مصاحب تھے اور ۱۱۶۲ھ کی آمبور گڑھ کی جنگ میں نواب انور الدین کے ساتھ شہادت پائی۔ یہ مثنوی محمد نجیب خان شہید کے فرزند ارجمند محمد سعید کی درخواست پر ۱۱۸۵ھ میں لکھی تھی۔ چنانچہ خود ہی کہتے ہیں :-

پدر سان بدیں محمد سعید
چو نام خود اندر دو عالم حمید
بصد مہر پیش من آمد زِ در
بہ بیچارگی شد مرا چارہ گر
چو بنشست یک لحظہ در پیش من
تسلّی دہِ خاطرِ ریشِ من
بگفت اے نظامِ سخن پروری
نظامی صفت دادہ دُرِ دری
کمالت بشاہی بر آوردہ سر
چو خاقانی از خسروی نامور
بخواہم کہ از خامۂ مشک بیز
سوادِ سخن را کنی مشک خیز
گزارش گر قصۂ ماشوی
دل و دست را کار فرما شوی
طلبگار حسنِ مقالات شو
گزارش گر بعض حالات شو
چناں آور ایں نامہ را در رقم
کہ بر عنبر کشد خطِ لوحش قلم
چناں بر کشش ایں تاجِ خورشید را
کہ سلمان اقبالِ جمشید را
بایجاز گوئے آنچہ خوشتر بود
کز اطناب ایجاز کشتر بود
زطولِ سخن طبع ناخوش بود
کہ ما قلّ و دلّ دلکش بود

زتو آرزومند ایں گوہرم
چہ باشد کہ افشانیش در برم

تعجب تو یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل یہ شاندار مثنوی صرف سات دن کے اندر نظم کی ہے جس سے کرناٹک کی تاریخ کے بعض گوشوں پر بڑی عمدہ روشنی پڑتی ہے۔ بہت بہتر ہو گا کہ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور کا ادارۂ دار التصنیف ان دونوں مثنویوں کے شائع کرنے کا انتظام کرے تاکہ جنوبی ہند کے مؤرخ ان کی روشنی میں اپنی نمایاں تحقیقی خدمات پیش کر سکیں۔

حضرت نظامیؒ اور حضرت سعدیؒ نے فارسی ادب کے میدان میں بڑی جولانیاں دکھائی ہیں۔ حضرت نظامی نے اپنا خمسہ (پانچ مثنویاں) پیش کیا جسکی بہتوں نے تقلید کی۔ سب سے پہلے امیر خسرو دہلوی المتوفی ۷۲۵ھ نے حضرت نظامی کی اتباع میں پانچ مشہور مثنویاں لکھیں؛ اس کے بعد جامی المتوفی ۸۹۸ھ اور دوسرے مشہور شعراء نے خمسہ لکھے۔ جنوبی ہند میں میر اسمٰعیل خاں ابجدی المتوفی ۱۲۰۳ھ نے بھی پانچ مثنویاں لکھیں۔ حضرت ذوقی نے بھی اس قسم کی پانچ مثنویاں لکھی ہیں، مگر موضوع وہ نہیں اختیار کیا جو حضرت نظامی یا دوسرے شعراء نے کیا ہے۔ بلکہ ایک نئی راہ نکالی ہے۔ ھدیۃ الاخبار، اور معجز مصطفےٰ کے نام سے دو مشہور مثنویاں لکھیں جن میں بزرگوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق صوفیانہ نقطۂ نظر سے حالات لکھے ہیں، جو نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ بہت ہی سبق آموز مباحث ہیں۔ چار فصل، عشق نامہ اور چمن محبت تین مثنویاں بہت ہی عمدہ طرز کی ہیں۔ پہلی مثنوی دو ہزار نو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے اور صرف پچیس دن میں لکھی ہے۔ یہ حضرت نظامی کی مثنوی ہفت پیکر کا جواب ہے۔ اس میں خسرو ختن شاہ کیوان کا قصہ نظم کیا ہے۔ دوسری مثنوی بائیس دن میں لکھی ہے۔ اس میں چندر بدن اور مہیار کا قصہ نظم کیا ہے۔ حضرت ذوقی کی پیروی میں جنوبی ہند کے مختلف شعراء نے فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کی تعریف وہ خود اس طرح کرتے ہیں :—

سمرقند ایں کتاب و قند بیت است
چو بشماری دو الف و چند بیت است

چمن محبت میں مشہور عشقیہ کہانی علینیہ و ریا نظم کی ہے۔ اس کے کل اشعار دو ہزار پان سو پینتالیس ہیں۔ اور صرف ایک مہینہ کے اندر پوری ہوی ہے۔ ان مثنویوں کے متعلق تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کو کسی اور موقع پر اٹھا رکھتا ہوں۔ البتہ اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلوب بیان اور زور کلام کے لحاظ سے یہ تینوں مثنویاں بڑی قابل قدر ہیں۔

حضرت سعدی نے گلستان اور بوستان دو کتابیں ایسی لکھی ہیں کہ اب تک باوجود انتہائی کوششوں کے کوئی جواب نہیں ہو سکا۔ سعدی کی کریما اخلاق کریمانہ کے بیان کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ حضرت ذوقی نے علیما کے نام سے اس مختصر مثنوی کا جواب لکھا ہے اور علم و جہل اور عقاید و اخلاق سے بحث کی ہے، علم نہ ہو تو انسان دنیا میں کسی کام کا نہیں رہ سکتا۔ جہل کے متعلق خود ہی اس طرح رقمطراز ہیں :—

دلا چند باشی گرفتار جہل
برون کش ز پاے خرد خار جہل
ز آتش مزاجان دوں وا گریز
دریں خاک دان آب خود را مریز


دارالعلوم وخانقاہ ودرگاہ کا ایک دلکش منظر

اقوالِ زرّیں

از سید وزیر علی حیدر آبادی۔ زمرۂ ثالثہ دار العلوم لطیفیہ

۱۔ جو شخص عزّت کا طلبگار ہو اُسے چاہیئے کہ وہ خدا کی فرماں برداری کرے کیونکہ عزت ساری خدا کی دین ہے۔ (قرآن شریف)

۲۔ تم خود اپنے آپ کو پاک مت کہو، وہ خوب جانتا ہے، اس شخص کو جو پرہیزگاری کرتا ہے۔ (قرآن شریف)

۳۔ مسلمانو! اپنے ہمسایوں کے ساتھ احسان کیا کرو۔ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (قرآن شریف)

۴۔ اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہ ہوگا۔ (قرآن شریف)

۵۔ بہت بڑا گناہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔ (قرآن شریف)

۶۔ قیامت کے دن غریب ہمسایہ امیر ہمسایہ کا دامن گیر ہوگا۔ (حدیث)

۷۔ باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لئے اس سے بڑھکر نہیں کہ اسکی تعلیم و تربیت خوب کرے۔

۸۔ جس نے اپنی عقل کو کافی سمجھا اس نے غلطی کی۔ اور جس نے اپنی رائے پر غرور کیا وہ گمراہ ہوا۔ (حدیث)

۹۔ وہ جو بے وقوف کے ساتھ کچھ پیغام بھیجتا ہے وہ اپنے پاؤں آپ کاٹتا ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

۱۰۔ آدمی کے نماز، روزہ کو نہیں بلکہ اس کی دانائی و راستبازی کو دیکھنا چاہیئے۔ (قول عمر فاروق)

۱۱۔ صاحب علم اگرچہ حقیر حالت میں ہو اُسے ذلیل نہ سمجھ، بیوقوف اگرچہ بڑے مرتبہ پر ہو، اسے بڑا مت خیال کر۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

۱۲۔ تیرا کلام بتادے گا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ (حضرت غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ)

۱۳۔ تو نفس کی تمنا پوری کرنے میں مصروف ہے اور وہ تیری بربادی کرنے میں (حضرت غوث الاعظم رض)

۱۴۔ صادق وہ ہے کہ جب اسکو دیکھو تو ویسا ہی پاؤ جیسا کہ سُنا تھا۔ (حضرت جنید بغدادی رح)

۱۵۔ اگر روزی کا انحصار عقلمندی پر ہوتا تو بے وقوفوں سے بڑھکر کوئی تنگدست نہ ہوتا۔ (حضرت شیخ سعدی رح)

۱۶۔ فقیر وہ ہے کہ اسکی خاموشی فکر کے ساتھ اور اسکی گفتگو ذکر کے ساتھ ہو۔ (حکیم بوعلی سینا)

۱۷۔ جوانی میں ایسے کام کرو جو دین و دنیا میں مفید ثابت ہوں۔ (حضرت لقمان حکیم علیہ السلام)

۱۸۔ دولت دنیا کی حاصل کرلینا کوئی بڑی بات نہیں، اگر تجھ سے ہوسکتا ہے تو کسی کا دل قابو میں لا۔ (شیخ سعدی علیہ الرحمہ)

ایک تاریخی مکالمہ

از:-
محمد امین اکرمی بھٹکلی
زمرۂ اولے

شاگرد ـــــ اُستاد سے :-

شاگرد: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سن عیسوی میں ہجرت فرمایا ؟
اُستاد: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ ستمبر ۶۲۳ء میں جمعرات کے دن ہجرت فرمایا۔
شاگرد: خاندانِ اقطابؒ ویلور کے سب سے پہلے بزرگ ویلور میں کب تشریف لائے ؟
استاد: خاندان اقطاب ویلور کے سب سے پہلے بزرگ ۱۱۳۸ء میں تشریف لائے۔
شاگرد: جناب! اقوامِ متحدہ کا وجود کس سن میں ہوا ؟
استاد: اقوامِ متحدہ کا قیام ۱۹۴۵ء میں عمل میں آیا۔
شاگرد: جناب! دنیا میں کُل کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں ؟
اُستاد: دنیا میں کُل ۲۷۹۵ زبانیں بولی جاتی ہیں۔
شاگرد: جناب! اردو زبان میں کن کن زبانوں کے کتنے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ؟
اُستاد: اس میں عربی کے ۷۵۸۴ اور فارسی کے ۶۰۰۰ اور سنسکرت کے ۵۵۴ اور انگریزی کے ۵۰۰ اور دیگر زبانوں کے ۱۹۱ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔
شاگرد: جناب! دنیا میں سب سے پہلے کونسا ملک آزاد ہوا ؟
استاد: دنیا میں سب سے پہلے سیریا (شام) اور لُبنان آزاد ہوئے۔
شاگرد: جناب! دنیا میں سب سے اونچی بلڈنگ کونسی ہے اور کہاں ہے ؟
استاد: سب سے اونچی بلڈنگ سویت پیالیس ہے جسکی لمبائی ۳۶۵ فٹ ہے اور یہ بلڈنگ روس میں ہے۔
شاگرد: جناب! دنیا کا سب سے بڑا جہاز کونسا ہے اور اس کا وزن کتنا ہے ؟
استاد: سب سے بڑا جہاز کوئن الزبتھ ہے اس کا ۶۷۳۸۳ ٹن وزن ہے۔
شاگرد: جناب! دنیا میں سب سے بڑا عجائب گھر کہاں ہے ؟
استاد: دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر لندن میں ہے۔
شاگرد: جناب! دنیا کا سب سے لمبا دریا کونسا ہے ؟

استاد سب سے لمبا دریا مسسی پی اور سب سے بڑا دریا امیرل ہے ۔

شاگرد ہندستان کا سب سے زیادہ گنجان شہر اور بڑا صوبہ اور بڑا ضلع اور بڑا کارخانہ کونسا ہے ؟

استاد ہندستان کا سب سے گنجان شہر کلکتہ ، بڑا صوبہ اتر پردیش ، بڑا ضلع ویزاگپٹم ، بڑا کارخانہ سندری ہے ۔

شاگرد جناب ! دنیا کا سب سے بڑا ٹیلیفون کہاں ہے اور اسکی اونچائی کتنی ہے ؟

استاد دنیا کا سب سے بڑا ٹیلیفون امریکہ میں ہے اور اس کی اونچائی ۲۲ فٹ ہے اور اسکی گھنٹی کا قطر ۴ فٹ ہے ۔

شاگرد جناب ! سب سے بڑا اور وزن دار انڈا کس کا ہوتا ہے ؟

استاد سب سے بڑا اور وزن دار انڈا شتر مرغ کا ہوتا ہے ۔ اگر اس کو اُبالا جائے تو اس کا وزن ۳ پونڈ ہوتا ہے ۔

بسلسلۂ صفحہ ۱۰۴ اس نے کہا کہ میں رات کی روشنی کو پسند کرتی ہوں اور دن کی تاریکی کو برداشت نہیں کرسکتی ۔

لطیفہ نمبر ۹ ایک مجلس میں وعظ ہو رہا تھا اور ایک مالدار شخص بھی سن رہا تھا ۔ تو اس نے ہدیہ کے طور پر ایک بغیر نگ کی انگوٹھی واعظ صاحب کو دیا اور دعا کے طالب ہوئے ۔ واعظ نے دعا کی خدایا تو اس کو جنت میں بغیر چھت کا محل عطا فرما ۔

لطیفہ نمبر ۱۰ ایک مسخرہ کسی سجی ہوئی مجلس میں مسخرہ پن کیا ۔ ایک زاہد نے اس سے کہا اے بدبخت تو نے اپنی تمام عمر مسخرہ پن میں صرف کی ، ممکن ہے کہ قیامت کے دن سر جھکائے دوزخ میں داخل ہو ۔ تو اس نے کہا وہ میں نہیں ہوں گا بلکہ دوسرا مسخرہ ہوگا ۔

لطیفہ نمبر ۱۱ ایک ٹڈی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی اور کہی کہ حضرت میرے یہاں آج آپ اپنے لشکر کے ساتھ دعوت کو آئیں ، دوسرے دن جب سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کو لے کر وہاں آئے تو ٹڈی نے کسی ایک ٹڈی کا پاؤں لاکر دریا میں ڈال دیا ۔ اور کہا کہ جس کو گوشت نہ ملے تو وہ شوربے کو غنیمت سمجھ کر کھائیں ، یہ دیکھ کر سلیمان علیہ السلام ہنس پڑے ۔

پاکیزہ لطیفے

از
سید مصطفیٰ قادری خسرو
زمرۂ اولیٰ

لطیفہ نمبر ۱ ایکمرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کے درمیان تھے۔ آپ نے پوچھا میں تم دونوں کے درمیان کیسا معلوم ہوتا ہوں تو ان دونوں نے جواب دیا لنا کے مانند۔

لطیفہ نمبر ۲ ایک شخص ہر دن ہزار بار شیطان پر لعنت کیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک دیوار پر سوار ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص نے اسکے دونوں بازو پکڑ کر بلایا اور کہا جلد اُٹھ کیونکہ دیوار ابھی گرنے والی ہے، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ دیوار گر پڑی۔ اس شخص نے کہا تو کون ہے کہ میرے ساتھ ایسی بھلائی کیا۔ کہا میں شیطان ہوں۔ کہا تو نے میرے ساتھ ایسی بھلائی کیوں کی۔ حالانکہ میں ہر دن ہزار بار تجھ پر لعنت کی بارش برساتا ہوں۔ کہا یہ کام میں نے اس واسطے کیا کہ تو شہید نہ مرے۔

لطیفہ نمبر ۳ ایک فلسفی نے گناہوں سے توبہ کیا اور اسی وقت داڑھی مونڈھ ڈالی۔ لوگوں نے اسے پوچھا داڑھی کیوں مونڈھ ڈالی۔ اس نے کہا یہ داڑھی گناہوں کے زمانہ میں بڑھی تھی۔

لطیفہ نمبر ۴ موسیٰ نامی ایک اعرابی کسی مسجد میں وضو کی جگہ پر ایک دینار سے بھری ہوئی تھیلی پایا۔ جب نماز پڑھنے کے لئے امام کے پیچھے کھڑا ہوا تو اتفاق سے امام صاحب نے یہ آیت تلاوت کی وما تلك بيمينك يا موسیٰ۔ اعرابی نے یہ آیت سن کر کہا واللہ انت ساحر۔ اعرابی دینا کی تھیلی کو محراب میں ڈال کر بھاگا تاکہ لوگ اسے گرفتار نہ کرلیں۔

لطیفہ نمبر ۵ ایک بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا، میاں آج تم بہت اچھل رہے ہو۔ چھوٹے بھائی نے کہا ڈاکٹر صاحب نے دوا دیتے وقت کہا تھا کہ دوا ہلاکر پیو۔ میں اس بات کو بھول گیا اور دوا ہلائے بغیر پی لیا۔

لطیفہ نمبر ۶ ایک جماعت بارش کی دعا کے لئے باہر گئی اور تمام اسکول کے بچوں کو ساتھ لے گئی۔ ایک مسخرہ نے پوچھا کہ ان بچوں کو کہاں لے جارہے ہو، کہا گیا کہ بارش کی دعا کرنے کے لئے۔ کیونکہ ان کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ یہ سن کر مسخرہ نے کہا اگر بچوں کی دعا قبول ہوتی تو اس دنیا میں استاد ہی نہ ہوتے۔

لطیفہ نمبر ۷ ایک شخص نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کو مامون الرشید کے پاس پیش کیا گیا۔ مامون نے اس کے حیلے کو پہچان لیا کہ بھوک کی وجہ سے یہ حیلہ بنا رکھا ہے۔ مامون نے حکم کیا کہ مطبخ میں اس کا خاص خیال رکھیں۔ اور جو بھی اس کو پسند ہو وہ کھلائیں۔ چند دن کے بعد مامون نے اس کو دربار میں بلایا اور کہا اب بھی تجھ کو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا ہاں! یہی آتی ہے کہ خلیفہ کے باورچی خانے سے باہر مت جا۔ خلیفہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اور ہر روز کے لئے کھانا مقرر کردیا۔

لطیفہ نمبر ۸ چمگاڈر سے پوچھا کہ دن کو کیوں باہر نہیں آتی

(بقیہ بر صفحہ ۱۰۳)

فضائل صحابہ رض

از محمد کمال الدین عارف
بلیجوری متعلم دارالعلوم لطیفیہ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ وصحبہٖ واتباعہ الحماۃ للدین القویم ٭

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید -

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَے الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ

(پارہ حٰمٓ ۲۶ - سورہ فتح آخر)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحت سے ہر صلاحیت مند ذرہ آفتاب ومہتاب بنکر دنیا کی آسمان پر چمکا ہے -

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ستاروں کے مانند ہیں تم جن کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جسقدر تکلیفیں ومشقتیں برداشت کی ہیں ان کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسوں سے دشوار ہے - آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلتوں سے تو تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں مگر ان پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا ہم ان کے پہچاننے کی بھی کوشش نہیں کرتے -

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے میں نے اپنے رب سے اپنے اصحاب کے باہمی اختلاف کے متعلق سوال کیا تو مجھ پہ وحی نازل ہوئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے تاروں کے مانند ہیں کہ بعض بعض سے زیادہ نورانی ہیں مگر نور سب میں ہے پس جس شخص نے انکے اختلاف میں سے جس پہ وہ ہوں حصہ لے لیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے -

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور کے بعد کسی دوسرے کی پیروی کا طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ صحابہ کے طریقہ کی پیروی کرے - جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہیں لیکن وہ صحابہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے - وہ فتنہ وفساد سے محفوظ رہے -

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہٗ سے وارد ہے کہ حضور ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ آپ کے بازو میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت صدیق اکبر ایک پرانا کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور اس کو ایک دوسرے کمبل سے جوڑے رکھے تھے یکایک حضرت جبرئیل علیہ السلام اس جگہ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلام پہنچایا اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کو دیکھتا ہوں کہ وہ کمبل اوڑھے ہوئے ہیں اور سینہ پہ گنڈی کی بجائے کانٹا

لگا رکھے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل علیہ السلام ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال میرے لئے خرچ کر دیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کہہ دیجئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایئے کہ رب تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے کہ تم اس مفلسی اور فقیری میں اس سے راضی ہو یا رنجیدہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کے اس کلام کو سننا ہی تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ اپنے رب سے راضی ہوں، اپنے رب سے راضی ہوں، اپنے رب سے راضی ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو صحابہ کرام جاں نثاری کی وجہ سے ساری رات پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک صحابی حضورؐ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت خیمہ سے سر نکالا اور ارشاد فرمایا تم لوگ واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے خود میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے اور آپ پر تیر اور تلواروں کی بارشیں ہو رہی تھیں اسوقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار اور تیروں کے ماروں سے بہت زخمی ہو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے، ابوبکر تم جاؤ۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کہ میں آپ کو کسی موقعہ پر بھی اکیلا چھوڑنا پسند نہیں کیا تو اس وقت اکیلا کیسے چھوڑ دوں۔ یہ تھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھی۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک وقت وہ کسی وجہ سے اذان نہیں دئے تو ندائے غیبی آئی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہے کہ آج اذان نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں معراج میں جارہا تھا تو آگے آگے بلال رضؓ کے چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو ہر بات پر آمنت وصدقت کی آواز بلند فرماتے تھے، کہ آپ کی اسی صداقت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو موہ لیا تھا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو صدیق اکبرؓ ہوتے اور فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم جنت کے ہر دروازے سے آؤ گے۔ اور سب سے بڑی فضیلت کی بات یہ ہے کہ آپ کی دختر سعید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول عربی کے نکاح میں دیا تھا۔ اور آپ کا اول سے آخر تک ساتھ دیا۔ ہر تکلیف گوارا فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر کی زندگی ہر قسم کے اخلاق فاضلہ کا مجموعہ ہے۔ اخلاق حسنہ آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔

اسد الغابۃ میں لکھا ہے، باوجود ایک ممتاز حیثیت رکھنے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنے آپ کو ممتاز نہیں سمجھا، ہمیشہ فروتنی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ جس طرح سب لوگ اپنے گھروں کا کام کاج کرتے تھے اسی طرح آپ بھی کرتے تھے۔ خود ہی اپنے کپڑے میں پیوند لگا لیتے۔ خود ہی اپنے جوتوں کی مرمت کر لیتے۔ ایک دن آپ کے

پاس صرف چار درہم موجود تھے اور چند ضروری کام بھی پیش نظر تھے۔ اس موقع پر ایک شخص نے آپ سے اپنی شدید ضرورت کا اظہار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بلا تامل وہ چاروں درہم اس حاجت مند کو دے دئے اور اپنے ضروری کاموں کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ جل شانہ کو ان کا عمل اسقدر پسند آیا کہ ان کی تعریف میں یہہ آیت نازل ہوئی۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

(ترجمہ) وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنا مال رات اور دن پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے واسطے ان کے رب کے پاس اجر و ثواب ہے اور ان کے لئے کوئی غم ہے اور نہ کوئی خوف و ڈر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و حفاظت اور دین کی تبلیغ و اشاعت کا فرض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کما حقہ ادا کیا۔

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ نقل کر دوں کہ ایکمرتبہ ایک شخص جو کہ بظاہر مسلمان تھا اس میں اور ایک یہودی میں جھگڑا ہو گیا۔ فیصلہ کے لئے دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ فیصلہ یہودی کے موافق ہوا مگر وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا اور صدیق اکبر کے پاس فیصلہ لے گیا۔ انہوں نے بھی یہودی کے حق میں فیصلہ کیا، پھر بھی وہ اس سے راضی نہ ہوا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دربار میں گیا۔ یہودی نے کہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کر چکے ہیں۔ لیکن یہ شخص راضی نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر سے تلوار لائے اور منافق کو قتل کر کے فرمایا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہ ہوا اس کا یہی فیصلہ ہے۔ تو اسی وقت آپ کا لقب فاروق ہوا۔ دیکھئے قرآن کی شہادت کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے جو بھی دل میں تردد لائے وہ مومن نہیں ہے۔

غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ لکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمون کا آغاز اس طرح کرایا من محمد رسول اللہ۔ اس پر کفار مکہ کے جو نمائندے عروہ بن مسعود تھے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ کاٹ کر ابن عبد اللہ لکھوائیے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا (جو کاتب تحریر تھے) کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاٹ کر ابن عبد اللہ لکھ دو۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کے بجائے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میری مجال نہیں کہ آپ کے اسم مبارک کو اپنے ہاتھوں سے کاٹوں۔

دیکھئے بظاہر آپ حکم شرع کے خلاف ورزی کر رہے تھے لیکن مقام عشق اسی کا حکم دے رہا تھا۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ران پر سر مبارک رکھ کر خواب استراحت فرما رہے تھے۔ نماز عصر کا وقت فوت ہو رہا تھا شرع کا حکم تو یہی ہے کہ نماز وقت پر پڑھی جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیدہ و دانستہ نماز کو فوت ہونے دیا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کی کسی حرکت یا جنبش سے آپ کے آرام میں خلل آ جائے۔

صحابۂ کرام کے حالات و واقعات کی تحقیق کی جائے تو اس قسم کے بہت سے واقعات ملیں گے۔

اسی طرح غار ثور میں جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ

وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رانوں پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمارہے تھے۔ اور صدیق اکبر غار کے ایک سوراخ کو اپنے پیر کے انگوٹھے سے بند کئے ہوئے تھے۔ (۳) وقت سانپ نے آپ کے انگوٹھے کو کاٹ لیا لیکن آپ نے بالکل جنبش نہ کیا۔ حالانکہ شریعت میں اپنی جان بچانے کے لئے حکم دیا ہے لیکن حضرت صدیق اکبر کا یہ فعل دیدہ ودانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جس کی ممانعت قرآن مجید سے ثابت ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پارہ سیقول[۲]

لیکن مرتبۂ عشق میں وہی فعل بالکل جائز بلکہ مزید عنایات وانعامات کا موجب ہوا۔

اسلام کی یہ مایۂ ناز ہستیاں جن کی عظمت وتقدس کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کثیر مخلوق مسلم وغیر مسلم سب ہی ان کی زندگی میں بھی اور بعد وفات فیض پاتی رہی اور پا رہی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔

یہ مقدس وبرگزیدہ حضرات اللہ رب العزت تک رسائی کے لئے وسیلہ وذریعہ ہیں کہ ان کی توجہ ونگاہِ کرم سے بآسانی بے خوف وخطر اللہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ہم تمام مسلمانوں کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ایمان واسلام پہ ثابت قدم رکھے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ
واعصمنا من الغوایۃ والھویٰ

(آمین ثم آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم)

کیا عربی تعلیم انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے

از فضل العلماء مولوی سیّد عبدالحفیظ صاحب
گورنمنٹ مسلم ہائی سکول ویلور

ناظم دار العلوم لطیفیہ کے شکریہ کے ساتھ جنکی نوازشات نے اللطیف کی انجمن میں شرکت کا شرف بخشا

انسانی زندگی میں علم کی اہمیت و ضرورت

موجودہ ترقی پذیر دور میں علم کی اہمیت و افادیت پر بحث کرنا گویا تہذیب و تمدن کا مذاق اڑانا ہے۔ سائنس کے حیران کن کرشموں اور علم کے تعجب خیز کارناموں کو روزمرّہ مشاہدہ کرنے والا ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے، کہ آج دنیا کا ہر چھوٹا بڑا بھی کام علم ہی کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ بجز تعلیم کے اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس سائنسی دور میں حکمرانی نہیں کر سکتی۔ قوموں کا عروج وزوال دنیوی و اخروی فلاح و کامرانی کے دروازے کلیدِ علم ہی سے کھل سکتے ہیں۔ وہی قوم زندہ و ترقی یافتہ مانی جاتی ہے جسکے بیشتر افراد زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ مہذب و متمدن قوم کا ہر فرد، امیر غریب، بچہ بوڑھا، عورت مرد، سب کے سب خواندہ و تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ زورِ بازو اور قوت کے بل بوتے پر کوئی قوم اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی حکومت کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ غرض تعلیم انسانی شرافت اور اس کے بلند اخلاق کا واحد معیار ہے۔ مختلف علوم والسنہ پر قدرت پانا اور ان میں کمال حاصل کرنا زمانۂ حال کا ایک زبردست کارنامہ ہے۔

علم مشعل ہے اور انسان غرض کا بندہ

تعلیم جس نوعیت کی بھی ہو اور اسکا تعلق کسی بھی زبان سے کیوں نہ ہو اگر وہ انسان کی صحیح رہنمائی کرتی ہے تو اس کا حصول ہر ایک پر لازم و ضروری ہے۔ دنیوی اغراض یا ذاتی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کسی علم کو مفید اور کسی کو مہمل سمجھکر تفریق کر دینا ہوشمندی اور دانائی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان اپنی غرض کا بندہ ہے، وہ اپنے جملہ دینی و دنیوی امور میں سود و زیاں دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ کوئی روشن اور کامیاب مستقبل کا نقشہ جب تک اسکی نظروں کے سامنے نہیں آتا وہ کسی بھی ذمہ داری یا الجھن کو اپنے سر لیکر تضیع اوقات کرنا نہیں چاہتا۔ علم اس کی زندگی کا مشعل بنے یا نہ بنے اس سے کچھ سروکار نہیں، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنی دنیوی غرض ٹل جائے۔ مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں، آج کا انسان غرض مند اور مفاد پرست ہے۔ تعلیمی میدان میں بھی وہ انہیں مفادات کی تلاش کر رہا ہے جب تک وہ ہر حیثیت سے مطمئن نہیں ہو جاتا تحصیل علم میں پیشقدمی کو نامناسب سمجھتا ہے، اب ہم اُس علم کے بارے میں غور کریں جس کا انسان دلدادہ ہے۔

انگریزی تعلیم اور دورِ حاضر

کن اصول اور قواعد کو پیش نظر رکھ کر انگریزی تعلیم کی ترویج و اشاعت ہوی۔ اس کا ٹھیک فیصلہ تو ہم کر نہیں سکتے۔ مگر اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ دورِ حاضر میں اسکی تحصیل غلط بے جا طریقوں پر ہوتی ہے۔

تعلیم کا مقصد حقیقی عقل سلیم کی تربیت تھا، اس قدر کرنا تھا جس سے انسان حق و باطل اور نیک و بد میں بہ آسانی تمیز کر سکے مگر کون صاحب فہم آج اس نظریہ کا پاس و لحاظ رکھتا ہے، کوئی عہدوں کی ہوس میں کالجوں کے زینے طے کر رہا ہے۔ کوئی نام آوری کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسناد کا پلندہ بنا رہا ہے اور کوئی اسی تعلیم کو معاش کا واحد ذریعہ بنا کر روز و شب انتھک کوشش کر رہا ہے۔ غرض دنیوی حرص اور عہدوں کی ہوس نے انسان کی عقل پر اس قدر پردہ ڈال دیا ہے، کہ اُسے تعلیم کی اصلیت اور مقصد پر دم بھر غور و تدبر کا موقع نہیں ملتا۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ علم کا تعلق اخلاق سے کیا ہے۔ تعلیم کے مفید اثرات عقل سلیم پر کیا ہوتے ہیں؟ وغیرہ

ان حقائق پر نہ والدین کی توجہ ہوتی ہے اور نہ ہی طلباء کی، وہ بلا غور و فکر تحصیل علم میں اندھا دھند بے دریغ سرمایہ صَرف کئے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ انگریزی تعلیم کی تحصیل میں اپنی تمام کوششوں کو اس وقت جاری و ساری رکھتے ہیں جب تک کوئی اعلیٰ سرکاری عہدہ یا عدالتی کرسی کے مالک و مختار نہیں بن بیٹھتے۔ تعلیم کا حاصل اور خلاصہ ان کے پاس یہی رہ جاتا ہے۔ عربی طلباء اور ان کی درسگاہوں کی نظریات اس سے کچھ مختلف نظر آتے ہیں۔

عربی تعلیم اُنکی درسگاہیں اور طلباء

انگریزی تعلیم اور اس کے مقاصد و فوائد کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے آچکا۔ تو آیئے ہم ایک ایسے علم کے بارے میں غور و تدبر کریں جس کا تعلق دین و دنیا دونوں کے ساتھ ہی یکساں ہے۔ جہاں انسان کے جسم ہی کی نہیں بلکہ روحانی تربیت بھی کامل طور پر ہوتی ہے کسب معاش ہی کے اصول نہیں بلکہ کسب ثواب کے ڈھنگ بھی سکھائے جاتے ہیں۔

عربی تعلیم سے میری مراد اس علم دین سے ہے جسکے حصول میں طلباء اپنی زندگی کا بیشتر صبر آزما حصہ عربی درسگاہوں میں تعلیم کی نظر کر دیتے ہیں۔ عرصہ دراز کے لئے والدین وطن عزیز اور اقرباء کو یکسر فراموش کر کے تحصیل علم میں ہمہ تن مصروف نظر آتے ہیں۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اپنے دل سے کتابوں کو جدا نہیں کرتے۔ قابل اساتذہ، لائق رہنماؤں کی زیر نگرانی ان کا ہر قدم اٹھتا ہے جسمانی اور روحانی طور پر ان کی اصلاح اس قدر کیجاتی ہے کہ وہ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کا سچا نمونہ ثابت ہوتے ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق اور ادب جیسے فنون مختلفہ و مشکلہ پر اس درجہ مہارت کاملہ حاصل کر لیتے ہیں کہ خود اپنی سند آپ ہوتے ہیں۔ غرض ان کی علمی قابلیت انوکھی اخلاق لاثانی اور ان کی ہر ادا پُر لطف ہو جاتی ہے۔

عربی درسگاہیں بھی کوئی معمولی فرائض انجام نہیں دیتیں، ان کا موازنہ انگریزی درسگاہوں سے کسی بھی حال میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ عربی درسگاہیں طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ ان کے قیام و طعام کا انتظام تو ایک طرف رہا، قیمتی کتب، پاکی صفائی اور کھیل کود کے سامان تک مفت اور بالکل مفت مہیا کئے جاتے ہیں۔ صاف بات تو یہ ہے کہ تحصیل علم کے دوران والدین یا خود طلباء پر کسی بھی قسم کے اخراجات لادے نہیں جاتے۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ چند ایسے عیوب بھی عربی طلباء میں موجود ہیں جنکا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

فارغین اور انکی مختلف پریشانیاں

اس میں شک نہیں کہ علم دین کی تحصیل طلباء لگ لپیٹ کر نہایت جاں فشانی سے کر تو لیتے ہیں۔ مگر دوران تحصیل میں ان مسائل کا صحیح حل اپنی کتب میں تلاش نہیں کرتے جن کا تعلق ان کے مستقبل اور زندگی سے ہے۔ حالانکہ مکمل دنیوی و اخروی نقشہ خود ان کے ہاتھوں میں ہونا ہے۔ ورق گردانی تو ہوتی ہے،

مگر عقل ہوش سے کام نہیں لیتے۔ آپ نے دیکھا نہیں تو کم از کم سُنا ہوگا، عربی طلباء بعدِ فراغت دنیوی زندگی میں قدم رکھتے ہی بیرونی ماحول ان کو نہایت خوفناک اور ڈراؤنا نظر آتا ہے، اس منظر سے ان کے سارے حوصلے چھوٹ جاتے ہیں۔ ان کے پیروں تلے کی زمین کھسک جاتی ہے اور خوف و ہراس ان کے دل و دماغ پر غالب آجاتا ہے۔ گذشتہ اور موجودہ ماحول کا تفاوت ان کے لئے ناقابل برداشت ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی بے چارگی اور بے مائگی پر پشیمان ہوکر خوفزدہ ہرنی کی طرح اِدھر سے اُدھر چھلانگیں مارتے پھرتے ہیں۔ علم دین سیکھا تھا بغیر سوچ وبچار کے اس لئے عوام الناس سے میل جول کے ڈھنگ معلوم نہیں ہوتے۔ زمانہ کی نیرنگیاں سے نبھاؤ ان کا شیوہ نہیں۔ تاجروں کی محفل میں حکمتِ عملی سے کام لینا ان کے بس کا روگ نہیں۔ اپنی عقل وہمت اور نافہمی پر واویلا کرنے کے بجائے علم دین اور عربی درسگاہوں پر برس پڑتے ہیں اور مجبوراً گوشۂ دل سے یہ آواز نکلتی ہے۔ ہائے افسوس! میں نے کیسی نادانی کی، عمر کس طرح گنوادی! میرا علم سینہ ہی میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔ کسی طرح دنیوی ضروریات کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ زمانہ مجھے نہیں سمجھا اور میں نے زمانہ کی نبّاضی نہیں کی۔ ہائے افسوس! وائے افسوس! اے کاش وائے کاش کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ان تمام مجبوریوں کو بالائے طاق رکھ کر ہمیں اس موقع پر سوچنا ہے کہ علم دین اپنے اندر معاشی مسئلہ کا حل رکھتا ہے یا نہیں۔

مسئلہ معاش اور عربی تعلیم

مسئلہ معاش یوں تو ہر خاص وعام کے لئے نہایت پیچیدہ ہی ہے، مگر عربی تعلیم یافتہ کے لئے یہ مسئلہ حادثۂ جاں کاہ سے کچھ کم حیثیت کا نہیں رکھتا۔ انگریزی طلبا اس کی طرف سے بے نیاز ہیں، کچھ نہیں تو اپنے دوچار الفاظ کی مدد سے کسی پرائیوٹ کمپنی کی منشی گری ہی سنبھال لیتے ہیں۔ بیچارے عربی تعلیم یافتہ اپنے علم اور عدم زبان دانی سے اس قدر مایوس ہوجاتے ہیں کہ ان کے حوصلوں اور توکل کی ساری زنجیریں ٹوٹ کر چور چور ہوجاتی ہیں اور اسپر عوام الناس کے لعن وطعن ان کے شیشۂ دل کو پارہ پارہ کردیتے ہیں۔ کوئی تن آسانی کا الزام لگادیتا ہے، تو کوئی منحوس زمانہ کے خطاب سے نوازتا ہے۔ کوئی مفت خوروں کی محفل میں جابٹھاتا ہے۔ اور کوئی ان کے وجود ہی کو باعث ننگِ انسانیت سمجھتا ہے۔ غرض تحصیل علم کے بعد ان کو آج ہر ایک [illegible] کا چپراسی بننا پڑا۔

علمائے کرام چاہے ان کے غور وفکر کے انداز کچھ بھی کیوں نہ ہوں مگر ہم تو صاف کہہ دیتے ہیں، اس کٹھن اور مشکل مسئلہ کا بہترین حل خود قرآن وحدیث کے اوراق میں موجود ہے۔ کیا آپ نے انبیاء کرام، اولیائے عظام اور صالحین کے واقعات میں تجارتوں کا ذکر نہیں پڑھا۔ کیا تواریخ کی مختلف کتب میں تجارتوں کے اصول آپ کی نظروں سے نہیں گزرے۔ جب یہ حقیقت ہے تو آپ بھی کیوں اس مقدس پیشہ کو اختیار نہیں کرلیتے۔ آپ کے پاس سرمایہ نہ رہے آپ لاکھوں کروڑوں کی تجارت پر نظر رکھتے ہیں، مختصر تجارت اس حد تک کیجئے جس سے آپ اپنے کفیل ہوں۔

یہ چوری کرنا عیب ہے، مفت خوری گناہ ہے اور بھیک مانگنا بُرا مگر ہر چھوٹی بڑی محنت سے جی چرانا یہ بھی کمینہ پن ہے۔ کیا ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں دی تھی، پیٹ کی خاطر بھیک نہ مانگو۔ بھیک ذلیل پیشہ ہے۔ جنگل سے لکڑیاں لے آؤ اور فروخت کرکے پیٹ کی آگ بجھاؤ۔ یہ افضل تر ہے۔ غرض یہ اور ایسے ہی ہزاروں معاشی حل ہمارے پاس موجود ہیں۔ مگر ہماری نظر سوائے ملازمت یا کسی مسجد کی امامت سے آگے نہیں دوڑتی۔ بارگاہِ الٰہ العالمین میں آہ وفغاں کرنے اور اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے سے پہلے

خود ہمیں بھی اپنی عقل اور بازو کو کام میں لاکر میدانِ زندگی میں مستعد کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ گستاخی معاف یہ مسئلہ انسان کی زندگی پر ہر قسم کا عذاب ڈھاتا ہے جس سے اختصار کے ساتھ حوالۂ قلم کیئے دیتا ہوں۔

مسئلہ معاش، حق گوئی سے باز رکھتا ہے، اور وقار کو گھٹا دیتا ہے؟

عربی تعلیم یافتہ اپنے آپ کو ناکارہ اور کمترین کیوں سمجھیں۔ کیا آپ کی عقل اس فیصلہ کو تسلیم کر سکتی ہے۔ روحانی، جسمانی اور عقلِ سلیم کی مکمل تربیت کے بعد کیا انسان دنیا کی نظروں سے گر سکتا ہے۔ کیا مشعل ہاتھ میں رکھ کر کوئی غار کے منہ کا نوالہ بن سکتا ہے۔ جواب نفی میں ہے اور انسان اندھا ہے۔ اللہ تعالے کے وسیع اور عریض کارخانہ میں معاش سے جب ادنیٰ پرندہ بھی پریشان نہیں ہے اور اپنی پرواز میں کوتاہی آنے نہیں دیتا تو ہم عربی تعلیم یافتہ کی کس قدر تنگ نظری ہے۔ ہم اپنی ساری تبلیغ و اشاعت اور حق و صداقت کو چند سکّوں کے عوض یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ اپنی ساری زندگی کا حاصل کسی مسجد کی امامت یا مکتب کی ملّائیت میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ چند چاندی کے سکّے ہماری زبان پر مہرِ خموشی ثبت کر دیتے ہیں۔ دستارِ فضیلت سر پہ رکھے ہوئے امراء کے اشاروں پر سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سینے قال اللہ و قال الرسول، کی صداؤں سے موجزن ہوتے ہیں۔ مگر ہونٹ کلمۂ حق بولنے سے کانپنے لگتے ہیں۔ برائیوں پہ برائیاں دیکھتے چلے جاتے ہیں اور ہم کو ٹوکنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ جھوٹ اور گندگی کے بازار گرم پاتے ہیں اور ہم نظر بچا کر نکل جاتے ہیں۔ حرام و ناجائز تجارتوں کی لوٹ گھسوٹ ہو رہی ہے۔ اور ہم انجان بن جاتے ہیں۔ غرض یہ اور ایسے ہزاروں لمحے روزمرہ زندگی میں پیش آتے ہیں۔ ہم انہیں دل میں بُرا سمجھتے ہوئے بھی زبان پہ لانے کی جرأت نہیں رکھتے۔ حالانکہ ہمیں کلمۂ حق عند سلطان جابر کی تعلیم دی گئی تھی۔ مگر ہم معاشی مجبوریوں کے شکنجے میں بُری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہمارا ماحول اور زمانہ حق کی آواز بلند کرنے نہیں دیتا۔ فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرنا پڑتا ہے۔ اپنی ہستی اور اپنے مقام کو بھول جانا پڑتا ہے۔ اور غیر اللہ سے خوف زدہ ہو کر اپنی شجاعت و ہمّت کو کھونا پڑتا ہے، جیسے علامہ اقبال نے یوں فرمایا ہے ؎

بندۂ حق از غیر حق اندیشہ کرد
شیر مولا روبہی را پیشہ کرد

ہمیں آج ان تمام برائیوں سے توبہ کرنی ہے۔ دنیا میں انقلاب لانا ہے اور ایسا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں صدائے حق بلند ہو۔ ہمارے خیال میں ایسا ماحول بے غرضی اور بے نیازی ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔

بے غرض تبلیغ میں جادو کا اثر ہوتا ہے

علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خود فرود آ از شتر مثلِ عمر
الحذر از منّتِ غیر الحذر

عربی تعلیم یافتہ طبقہ جب بے غرضی اور بے نیازی کے نکتہ کو سمجھ جائے گا اور یہ معلوم کر لیگا کہ ہر حال میں غیر کا احسان بُرا ہی ہے تو پھر اس کی تعلیم کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اُسے چاہیئے کہ کسی بھی حال میں اپنی خودی اور وقار کے دامن کو نہ چھوڑے۔ اس عظیم مجاہدہ کے لئے اپنی آرزوؤں کو دفن کرنا ہوگا۔ دل کو غنی کرنا ہوگا۔ توکل کے ساتھ ہی اپنے زورِ بازو کو بھی مضبوط کرنا ہوگا۔ اپنے معاش کے ایسے بہترین اور عمدہ ذرائع تلاش کرنا ہوگا، جو چاپلوسی، خوشامد، غلامی اور زبان بندی سے یکسر خالی ہوں۔ ہمارا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ دنیا کو آج عربی تعلیم یافتہ طبقوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر قوم اور ہر انسان

زبردست انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ اور دنیا پہ یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ عربی تعلیم حاصل کرنے سے انسان کبھی ناکارہ ہو نہیں سکتا۔ خدا سبکو نیک توفیق دے

صبرِ ایوبؑ

از
سید مرتضیٰ حسین
دہلوی
زمرۂ ثالثہ دارالعلوم
لطیفیہ دہلور

صبر کے معنی بہادری کے ہیں۔ صبر کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحاناً پہنچنے والی تکلیفوں اور مشقتوں کو ہمت اور بُردباری سے اٹھائے اور اس کا گلہ و شکوہ نہ کرے۔ انسان کو اپنی اس دنیاوی زندگی میں مختلف مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ آرام و تکلیف، خوشی و غم، امیری و فقیری، عیش و طرب، افلاس و تنگدستی، اپنی خوش حالی و صحت مندی کے زمانہ میں اسکو لازم ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عنایات کا شکریہ ادا کرے۔ اور جب بندے کو ان تمام آرام و آسائش کے بعد تکالیف کے دریا میں ڈھکیل دیا جائے تو ایسی صورت میں شکوہ و گلہ کی بجائے تحمل و بُردباری سے اپنے کو گناہوں اور لغزشوں سے بچائے رکھے اور خوشی کے زمانہ میں جس قدر اس کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا رہا ہے اس میں سرمو فرق ہونے نہ دے۔ یہ مصائب و آلام کے دریا کی موجیں بھی اس کے لئے خدائے تعالیٰ کی عنایات سے کچھ کم نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے۔ جب خدائے تعالیٰ بندے کو تکلیف اور مصیبت کے زمانے میں صابر و شاکر پاتا ہے تو اس پر پہلے کی بہ نسبت اور زیادہ رحم و کرم کی بارش کرتا ہے اور پہلے سے زیادہ خوش حال بنا دیتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام کریم میں متعدد جگہ صبر کی تلقین فرمائی ہے اور اسکی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام میں کہتا ہے ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

اس میں حق تعالیٰ نے اپنے طریقۂ آزمائش بنا کر صابرین کو خوشخبری دی ہے، اور ایک مقام پر کہتا ہے فاصبر کما صبر اولو العزم اور اسی طرح ایک اور مقام ارشاد فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اس جگہ صبر کو نماز کے ساتھ ذکر فرما کر اسکی اہمیت کو واضح کر دیا کہ صبر کتنی مہتم بالشان شئے ہے۔ اسی طرح اسکی اہمیت کو ایک مقام پر یوں بتا دیا ہے کہ ان اللہ مع الصابرین اور دوسری جگہ اس کے بے حساب اجر کے بارے میں فرما رہا ہے کہ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب، غرض اس باب میں اور بہت سی آیات قرآنی اور احادیث واقع ہوئے ہیں جس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

میں آپکے سامنے اللہ کے نبی اور بندے حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کو پیش کر رہا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والے کو کتنا بلند فرمایا۔ اور بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ واقعہ صدیاں بیت جانے کے باوجود آج بھی اسی طرح زبانِ مخلوق پر جاری ہے جس طرح پہلے تھا۔ آپکا صبر میں کتنا بلند مقام تھا۔ آپ صابروں کے سردار ہیں۔ آپ نے اس دنیا میں تکالیف و مصائب کا مقابلہ جس طرح کیا کسی نے نہ کیا۔ اور صابرین میں آپ کے اسم گرامی کو اوّلیت حاصل

ہے، چنانچہ خود خدا نے اناوجدنٰہ صابراً کے خطاب سے نوازا۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا کہ اے ایوب جس میں تمہیں مبتلا کیا گیا ہے اسکی خواہش ستر پیغمبروں نے کی ہیں نے کسی کو عطا نہیں کیا۔ صرف تمہیں عطا کیا گیا ہے تاکہ تمہارا نام دنیا میں روشن اور ایک نمونہ ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام عصیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ آپ امیر کبیر اور کثیر الاولاد اور کثیر الازواج تھے۔ آپ کی گیارہ بیویاں تھیں اور سب کے سب وفادار تھیں، اور بے حساب مال و دولت، مویشی اور چرواہے تھے۔ اس کے باوجود متقی پرہیزگار اور عبادت گذار اور سخی اور نرم دل تھے۔ جب تک کسی بھوکے کو کھانا نہیں کھلاتے خود نہیں کھاتے، اور اس وقت تک کوئی نیا کپڑا زیب تن نہیں فرماتے جبتک کوئی ننگا نہ مل جاتا، اور اس کو کپڑا نہ پہناتے، ہمیشہ آپ خدا کی حمد وثنا کرتے۔ پوری رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ آپ کی عبادت کی تعریف ہمیشہ فرشتوں میں ہوا کرتی تھی۔ شیطان جب بھی آسمان پر جاتا تو صرف ایوب علیہ السلام ہی کی تعریف سنتا۔ اور حسد کی آگ میں جل کر خاک ہو جاتا۔ ایکدن اسی جلن میں اس نے کہا، اے اللہ تو نے ایوب علیہ السلام کو بہت زیادہ مال و دولت اور کثیر اولاد عطا کیا ہے، وہ تیری تسبیح کیوں نہیں کریگا۔ اگر یہ سب جو کچھ تو نے عطا کیا ہے نہ ہو تو البتہ وہ تیری عبادت اس طرح نہیں کریگا۔ اللہ نے فرمایا، اے ملعون! ایوب میرا پیارا بندہ ہے اس کو جس حال میں رکھوں میری ہی حمد وثنا کرے گا تو اور تیری شیطانی طاقت اس کو میری راہ سے نہیں بھٹکا سکتی۔ شیطان نے کہا مجھکو اس بات پر یقین نہیں ہے تو مجھکو اسکے مال و دولت پر قابو عطا کر، پھر دیکھتا ہوں کہ ایوب تیری راہ سے مڑتا ہے یا نہیں۔ خدائے تعالیٰ کے عزت وعظمت کا دریا جوش میں آیا اور کہا کہ جا میں نے تجھ کو اسکے مال و دولت پہ قدرت عطا کیا۔ آزما کر دیکھ لے شیطان وہاں سے خوشی خوشی اپنے ہم جلسوں میں آیا اور تمام واقعات سنایا تو اسے مشورہ ملا کہ آپ کے تمام مویشیوں کو جلا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے آپ کی تمام بکریوں میں جاکر آگ لگا ڈالی اور سب کی سب جلکر راکھ ہو گئیں اور شیطان مسکین چرواہے کی سی صورت بناکر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اے حضرت! آپ کی تمام بکریوں کو آپ کے خدا نے جلاکر راکھ کر دیا ہے۔ یہ سنکر آپ نے الحمدللہ کہا۔ یہ حال دیکھ کر شیطان تلملا اٹھا اور مارے غصہ کے اس نے آکر آپ کے تمام اونٹوں میں آگ لگا دی اور سب کے سب اونٹ جل گئے اور اسکی بھی خبر آپ کے پاس لے آیا تو آپ سنکر الحمدللہ بولے۔ شیطان نے کہا حضرت آگ تو آسمان کی جانب سے آئی تھی اور آپ کے خدا نے اس کو برباد کیا تھا اور آپ الحمدللہ کہہ رہے ہیں۔ آپ اسکی طرف متوجہ نہیں ہوئے شیطان نے پھر بارگاہِ خداوندی میں کہا اے خدا ایوب کے تو اولاد کثیر ہے اسکو امید ہے کہ پھر دوبارہ اپنی کوششوں کے بل پر اس سے بھی دگنی دولت حاصل کرلے گا۔ تو کہا اے ملعون جا میں تجھ کو اسکی اولاد پر بھی قدرت عطا کرتا ہوں۔ تو آزما کر دیکھ لے۔ اس میں بھی تو مایوس اور غمگین ہوگا۔ شیطان وہاں سے اس محل میں جس میں آپ کے اولاد تھی اپنی شیطانی قوت کے زور سے اس محل کو الٹ دیا۔ اور آپ کی تمام اولاد اس کے نیچے دب کر مر گئی اور ادھر شیطان مسکین اور بھولی بھالی صورت

بنائے آپ کے پاس روتے چلاتے آیا اور کہا کہ حضرت اس وقت یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔ کچھ اپنے گھر بار کی بھی خبر لیجئے۔ ہائے افسوس آپ کے خدا نے آپ کے لڑکوں پر بھی رحم نہیں کیا۔ ان بیچاروں نے اس کا کیا بگاڑا تھا آپ کے خدا نے آپکی عبادت کی بھی پرواہ نہیں کی اور آپ کی اولاد کو آپکے محل کے نیچے دبا کر مار ڈالا۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے، کچھ بھی زبان سے نہ بولے، صرف آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے نکلے شیطان آپکے صبر و استقلال کو دیکھ کر جل کر کباب ہو گیا۔ اور درگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ تو نے ایوب علیہ السلام کو صحت تو عطا کر رکھی ہے، اس سے امید ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا اور اپنے بازوؤں کے زور سے پھر وہ دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت و شوکت کو حاصل کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ملعون! میرے ایوب کے لئے تو اور تیری شیطانی قوت کچھ کارگر نہیں ہوگی۔ اس پر شیطان نے کہا مجھے یقین ہے کہ اگر ایوب کی صحت گر جائے تو وہ تیری عبادت نہیں کریگا۔ الغرض خدا تعالیٰ نے شیطان ملعون کو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر قدرت عطا کرتے ہوئے فرمایا اے ملعون جا میں تجھے ایوب کے جسم پر بھی قدرت عطا کرتا ہوں لیکن اس کے دل و دماغ پر ہرگز تیرا قابو نہیں چلیگا۔ آزمائش کرلے۔ وہاں سے شیطان واپس آیا اور دیکھا کہ آپ مناجات میں مصروف ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ جو کچھ تو نے مجھ سے لے لیا وہ بھی تیرا ہی تھا اور اب جو کچھ ہے وہ بھی تیرا ہی ہے میں تیرا ہر حال میں شکر گذار ہوں۔ ابھی فارغ ہوئے ہی تھے کہ اتنے میں شیطان نے آپکی ناک میں پھونک ماری جس سے آپ کے جسم میں خارش شروع ہو گئی اور اتنی سخت کہ کھجاتے کھجاتے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ خون اور پانی بہنے لگا۔ کھجاتے وقت انگلیاں دھنس جاتیں اور کیڑے گر پڑتے۔ اتنی مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود آپکے صبر میں فرق نہ آیا۔ اور آپ برابر خدا کا شکر ادا کرتے اور حمد و ثنا کرتے رہے۔ آپ کے جسم کے سڑنے کی وجہ سے بدبو پھیل گئی۔ دوست و احباب کترانے لگے۔ محلہ والے بدبو سے پریشان ہو کر آپ کو ایک ٹاٹ میں لپیٹ کر جنگل میں لے جا کر رکھ دئے۔ آپ کے ساتھ صرف ایک بیوی بی بی رحمت رہ گئی تھیں جو آپ کی تیمارداری خدمتگزاری کرتی تھیں اور آپ کو نماز وغیرہ میں اٹھ کر کھڑے ہونے، اور ٹھہرنے میں مدد دیتی تھیں شیطان مایوس ہو چکا تھا۔ ملعون جو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ ہر حال میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ آگ سے بنے ہوئے شیطان کے روبرو مٹی کے بنے ہوئے انسان کی کوئی حقیقت نہیں۔ غرض بی بی رحمت کا آپ کے ساتھ رہنا بھی نہیں بھایا۔ اور ایک چال چلنے کی کوشش کی۔ اس نے سوچا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس طرح حضرۃ حواؑ کے ذریعہ بہکا ڈالا تھا اسی طرح آپ کے ساتھ بھی کرے۔ چنانچہ ایک دن جب بی بی رحمت جنگل سے لکڑیاں لا رہی تھیں اتنے میں شیطان آیا اور کہا کہ تیرا خاوند آسمانی خدا کی عبادت کرتا ہے اور میں زمین کا خدا ہوں وہ میری عبادت نہیں کرتا اس لئے بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہے' اب اگر میرے نام پر ایک بکرا ذبح کرے تو اسکی صحت اچھی ہو جائے گی۔ بیچاری بی بی رحمت بھولی بھالی عورت تھیں، انہوں نے کہا میں اپنے شوہر سے پوچھ کر کرونگی۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام سے جب یہ واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگیں تو ایوبؑ نے کہا اے رحمت کیا تجھے آسمان اور زمین کا خدا کون ہے

معلوم نہیں۔ تو میرے پاس سے چلی جا۔ پھر آپ نے بیوی سے پوچھا کہ اے رحمت یہ بتا کہ ہم نے خوشی اور آسودگی کے کتنے برس گزارے ہیں۔ آپ کی بیوی نے کہا اسّی برس اور غم و دُکھ کے کتنے برس جھیلے۔ آپ کی بیوی نے کہا دس برس۔ آپ نے کہا اے رحمت! کیا تجھ میں اتنی طاقت صبر نہیں کہ جتنے برس آسودگی میں بسر کئے اتنے برس غم اور تکلیف میں جھیلیں۔ اے رحمت! قسم ہے خُدا کی جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو ضرور اسّی کوڑے ماروں گا۔ یہ کہکر آپ نے بیوی کو بھی دُور کر دیا۔ اب آپ تن تنہا تھے۔ جبرئیل علیہ السلام روزانہ آتے اور آپ کو تسلی دے جاتے جس سے کچھ سکون مل جاتا۔ اسی طرح ایک زمانہ گزرا۔ شیطان بالکل مایوس و ناامید ہو چکا تھا۔ آپ برابر حمد و ثنا میں مشغول رہتے۔ جب آپ کے جسم سے کوئی کیڑا گر جاتا تو آپ اس کو اٹھا کر رکھ لیتے۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے ایوب تمہارے جسم میں جو کیڑے ہیں وہ خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ آپ کو ڈر تھا کہ اپنی وجہ سے کسی طرح خدا کی حمد و ثنا میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ جب آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ فرماتے، اللھم انت اخذت وانت اعطیت مھما تبقی احمدک علی حسن بلائک۔ غرض ایک دن ایک قافلہ وہاں سے گزرا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ اے ایوبؑ! تم نے کونسی غلطی کی تھی جسکی پاداش میں یہ سزا بھگت رہے ہو۔ یہ سن کر آپ بے تاب ہو کر سجدے میں گر گئے اور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا دایاں پیر زمین پر مارو۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پاؤں مارتے ہی وہاں چشمہ جاری ہو گیا۔ جس میں آپ نے غسل کیا۔ جس سے سارا مرض جاتا رہا۔ آپ توانا صحت مند اور جوان ہو گئے۔ اور آپ کی بیوی اس مقام پر جہاں آپ کو چھوڑ کر گئیں تھیں آئیں اور آپ کو نہ پاکر بہت مغموم ہوئیں اور تلاش کرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام چونکہ صحت مند ہو چکے تھے اس لئے آپ کو پہچان نہ سکیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا کسکو ڈھونڈھ رہی ہو۔ بی بی رحمت نے کہا یہاں میرا مریض شوہر پڑا ہوا تھا جس کا نام ایوب ہے میں اس کو ڈھونڈھ رہی ہوں۔ ایوب علیہ السلام نے کہا "اے رحمت" میں ہی ایوب ہوں بی بی رحمت دیکھ کر آپ کو پہچان گئیں اور دونوں مل گئے" اور جب ایوب علیہ السلام نے اسّی کوڑے مارنا چاہا تو وحی آئی کہ اے ایوب اپنی قسم پوری کرنے کے لئے جھاڑو سے مارو۔ چنانچہ آپ نے جھاڑو سے مارا۔ اور قسم کو پورا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو آپ کے صبر کا پھل عطا کیا۔ دوبارہ جوانی دی گئی۔ اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ مال و دولت سے بھی نوازا اور اولاد کثیر عنایت فرمایا۔

لوگو! جو شخص حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کو اپنا کر اپنی تکلیفوں اور مشقتوں کی تاریک راتوں کو روشن کرے گا وہ یقیناً اس کی وجہ سے دارین کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے گا۔

— ختم —

توبہ کے فضائل و برکات

از محمد اسحٰق سلطانی مدیر لطیفیہ حضرت مکان ویلور

توبہ! یہ ایک ایسی فضیلت والی شئی ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کو بھی جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ توبہ ہی ایک ایسی شئی ہے جو تمام گناہوں کو نیست و نابود کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات ارشاد فرماتے ہیں تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو، شاید تم بھلائی پاؤ۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے لئے اپنے معبودِ حقیقی کے پاس توبہ کریں۔ ہمارا کام توبہ کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ ہماری توبہ کو قبول فرما کر ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ نص صریح سے ثابت ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّاٰتِ یعنی خدائے تعالیٰ وہ ہے، جو بندوں کی توبہ قبول فرما کر برائیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نص سے ثابت ہے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا بس یہ لوگ ہیں کہ میں ان پر رجوع برحمت ہوتا ہوں۔ اور حدیث میں منقول ہے کہ ما من شئی احب الی اللہ من شاب تائب (ح) خدائے تعالیٰ کے نزدیک اُس جوان سے زیادہ کوئی دوست نہیں جو توبہ کرنے والا ہے۔ ان

من شئی حیلۃ وحیلۃ الذنوب التوبۃ ہر چیز کے لئے حیلہ ہے اور گناہوں کا حیلہ توبہ کرنا ہے۔ خالق کائنات فرماتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل سے باوجودیکہ خداوند تعالیٰ ہمیں توبہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر بھی ہم اپنے گناہوں کی توبہ کرنے سے بے نیازی برتتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے پاس اور کیوں نہیں گناہ بخشواتے اور اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ؕ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لئے رحم کرتا ہے۔ سرکار کائنات فرماتے ہیں کہ عجّلوا بالتوبۃ قبل الموت جلدی کرو توبہ کی قبل موت کے توبوا الی بارئکم قبل ان تموتوا اللہ سے توبہ کرو، مرنے سے پیشتر توبہ کے معنی ہیں آدمی گناہوں سے باز آکر نیک کاموں کی جانب رجوع ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو توبہ کرکے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کا حکم کرتا ہے یعنی جو کوئی امید فلاح رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ توبہ کرے۔ حدیث ہے کہ:۔ الندم من الذنب توبہ، گناہوں سے نادم ہونا توبہ ہے۔

حق تعالیٰ مومن بندے کی توبہ سکرات الموت سے پہلے

قبول کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو، مگر اچھا وہ ہے کہ توبہ کرنے والا جب گناہ سے باز آئے تو گویا وہ ایسا ہے گناہ ہی نہیں کیا۔ ابھی ابھی مادر زاد پیدا ہوا ہے۔ حدیث وارد ہے کہ:-

التائبُ من الذنب کمن لا ذنب لہٗ (ح) یعنی گناہ کرنے والا جب گناہ سے باز آئے تو ایسا ہے جیسے گناہ ہی نہ کیا۔ نقل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے خلافت کے زمانے میں ایک شخص شراب کا بوتل بغل میں دبا کر جا رہا تھا۔ اچانک حضرت عمرؓ سے مڈبھیڑ ہوی۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر دم بخود ہو گیا اور دل میں کہا یا قاضی الحاجات اس وقت مجھے اپنے خلیفہ کے آگے شرمندہ نہ کرے تو میری توبہ ہے کہ آئندہ کبھی یہ حرکت نہ کرونگا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سوال کئے کہ تیرے بغل میں کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ سرکہ ہے۔ چونکہ خالص توبہ کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس شراب کو سرکہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پس اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کو ڈر کر توبہ کی تھی، اگر کوئی اللہ سے ڈر کر توبہ کرے تو اسکی توبہ ضرور مقبول ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ التائبُ حبیب اللہ اور فرمایا ان اللہ یحب التوابین ط

پس جہاں تک ہوسکے توبۂ نصوح کرے، یعنی ایسی توبہ کرے، کہ جہاں تک ممکن ہو پھر نہ توڑے اور صاف دل کی توبہ یہ کہ پھر دوبارہ اس گناہ کا قصد بھی نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مغرب کی طرف ایک دروازہ ہے، وسعت میں ستر یا چالیس برس کی راہ ہے وہ توبہ کے واسطے کھلا ہوا ہے اور قیامت تک کھلا رہیگا۔

توبہ کرنے والوں سے اللہ جل شانہٗ خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے خالق سے توبہ کرنے کے بعد کئے ہوئے گناہ کیلئے استغفار چاہیے اور علماء و صلحاء کی صحبت میں بیٹھے۔ اور نیک کام کرے۔ دنیا میں جو شخص کہ ہمیشہ گناہ کرتا ہے اور اس کو کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ بارگاہِ ربوبیت میں اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔ مگر جب ملک الموت اسکی روح قبض کرنے کیلئے آتے ہیں تو کہتا ہے کہ اب جانے کا وقت آگیا تو اُس وقت بڑی حسرت سے کہتا ہے کہ ملک الموت مجھے ایکدن کی مہلت دے تاکہ اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کرلوں تو جواب ملتا ہے اس سے پہلے تجھکو مہلت مل چکی ہے، اب مہلت کا وقت نہیں مل سکتا پھر وہ مایوس ہوجاتا ہے۔ اللہ کے بندے کے ساتھ دو دروازے ہیں۔ ایک تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت خدا فرماتا ہے، اے بندے، میں نے تجھے پیدا کیا، تجھے عمر امانت دی، وہ امانت موت کے وقت کس طرح واپس دی۔ دوسرا یہ کہ موت کے وقت اے بندہ تونے کیا کیا، اگر بخوبی وقت کو عمل میں لایا تو ثواب پائے گا اگر وقت کو ضائع اور لا اُبالی میں گذارا تو معصیت محرومی درگاہ کا سبب ہے، اور اس محرومی کا علاج تو یہ ہے جس طرح سے کہ میلا کپڑا صابون سے صاف ہوتا ہے، اسی طرح دل بھی ظلمتِ گناہ سے انوارِ طاعت کے سبب پاک ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور برائیوں سے باز آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے شخص ہر ایک بدی کے بدلے نیکی کیا کرو۔ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے۔ اگرچہ گناہ آسمان کے برابر بھی ہوں اور اس وقت کرو تو اس وقت بھی توبہ قبول ہوگی۔ قابلِ ذکر ایک واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص رہتا تھا، وہ بکثرت گناہ کرتا تھا۔ ایکمرتبہ اپنے کئے ہوئے

جرم پہ ندامت ہوئی تو اس نے چاہا کہ بارگاہِ الٰہی میں توبہ کروں تو میری توبہ مقبول بارگاہ ہو گی یا نہ ہو گی ۔ عابد سے دریافت کرنے پہ عابد نے کہا قبول نہ ہو گی ۔ اس شخص نے عابد کو مار ڈالا ۔ بعد اس کے مارنے کے ایک معروف عالم کے پاس گیا اور اپنا حال بیان کیا اور کہا کہ کیا اگر میں اپنے گناہوں پر توبہ کروں تو توبہ قبول ہو گی یا نہیں ۔ عالم معروف جواب دیتے ہیں کہ لازم ہے کہ تو اس بستی کو چھوڑ کر دوسرے وطن کا قصد کرے کیونکہ یہ وطن فساد کی جگہ ہے اور کہا فلاں جگہ جا وہاں پہ پرہیزگار لوگ رہتے ہیں ۔

الغرض وہ اپنے وطن سے نکلا ۔ اثناءِ راہ میں اس کا انتقال ہو گیا ۔ اس شخص کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑا کرنے لگے ۔ ہر ایک نے کہا یہ ہماری سرزمین ہے ۔ خدا نے فرمایا اس سرزمین کو ناپو ۔ آخر معلوم ہوا کہ اہل صلاح کی بستی سے ایک بالشت نزدیک ہے ۔ حکم ہوا رحمت کے فرشتے اسکی روح قبض کریں ۔ چنانچہ پتہ چلا کہ رحمت کے فرشتے کا روح قبض کرنا گویا اس کی توبہ قبول کرنا ہے ۔ اگر اسکی توبہ قبول نہ ہوتی تو عذاب کے فرشتے اسکی روح قبض کرتے اور نارِ جہنم میں جھونک دیتے تھے ۔

عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثّر الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ھمٍ فرجًا ومن کل ضیقٍ مخرجًا ویرزقہٗ من حیثُ لا یحتسب

(ترجمہ) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے بکثرت استغفار کی، اللہ تعالیٰ کیلئے ہر ایک ہم و غم سے کشادگی اور ہر ایک تنگی مقام سے جگہ نکلنے کی عطا فرماتا ہے ۔ اور رزق ایسی جگہ سے عطا فرماتا ہے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا ۔ یہ رزق کہاں سے نصیب ہوتی ہے ۔

چنانچہ بندہ کو لازم ہے کہ بندہ ہمیشہ اپنے خدا سے اپنی بخشش طلب کرے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنّی لاَسْتَغْفِرُ کُلَّ یومٍ سبعین مرّۃً یعنی میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں اور فرمایا سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے استغفروا فان لم تستغفروا فلن یغفر اللہ یعنی استغفار کرو، استغفار نہ کرو گے تو ہرگز نہ بخشے جاؤ گے ۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا استغفروا ربّکم انہٗ کان غفارًا توبہ کرو اپنے رب سے بے شک وہ بخشنے والا ہے ۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جسکو غم بہت زیادہ ہے وہ ہمیشہ استغفار پڑھا کرے ۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گناہ بہت کیا کرو تو آمرزش بھی بہت چاہا کرو ۔ یعنی استغفار بکثرت پڑھا کرو ۔ قسم ہے اس ذات کی جو وحدہٗ لا شریک ہے استغفار گناہوں کو ایسا جلا دیتی ہے جیسا کہ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے اور فرمایا کہ ہر چیز کے لئے دوا و علاج ہے اور گناہ کا علاج و دوا استغفار و توبہ کا کرنا ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی سوتے وقت استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھیگا تو اس کے سارے گناہ بخشے جائیں گے ۔ اگرچہ اس کے گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں ۔

ذوقی صفحہ ۱۰۲

بزن دست در دامن اہل دل
کہ با اہل دل کس نباشد خجل
تو کارے بکن کاں بکار آیدت
دراں صید گاہ یار آیدت

اعتقادات کی تصحیح پر زور دینے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں :-

جُز ایں اعتقادے ندارم مدام
کہ بیزارم از اعتقاداتِ خام
با غذوی از جان و دل کار کن
دلِ خود زہر کار بیزار کن
اگر غیر ایں باشدت اعتقاد
بروں افتی از راہِ صدق و صواب
کند غرقہ در ورطۂ غم ترا
کشد عاقبت در جہنم ترا
دریں اعتقادِ تو باشد مُدام
بدار السلامت برد والسّلام

شاعرانہ تعلی ہر شاعر کا خاصہ ہے۔ ذوقی نے بھی بہت سی شاعرانہ تعلیاں کی ہیں۔ یہ خود ایک مستقل عنوان ہے جس پر تفصیلی طور پر یہاں لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جنہوں نے بھی اپنے زمانہ میں ان سے الجھنے کی کوشش کی ہے، ناکام ہوے ہیں۔ میر غلام حسین جودت کو تاریخ گوئی پر بہت بڑا فخر تھا۔ ایک نشست میں حضرت ذوقی سے اُلجھ گئے۔ حضرت ذوقی نے فی البدیہہ ایسی تاریخیں قلمبند کر کے دکھائیں کہ چپ ہو جانے کے سوا جودت کے لئے کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا۔

آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت ذوقی اپنے والد ماجد اور نامور آبا و اجداد کی طرح ایک صاحب دل بزرگ تھے۔ آئندہ ہونے والے واقعات ان کے دل پہ ہویدا ہو جاتے تھے۔ اس کی ایک دو مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ وفات سے تیرہ دن پہلے انہوں نے یہ پیشینگوئی کی کہ تیرہ دن بعد اس ملک کا قطب اس دنیا سے کوچ کر جائے گا اور اس کے تین دن بعد قلعۂ ویلور پر گولی چلے گی۔ جب ۱۳ رجب ۱۱۹۴ھ کو حضرت ذوقی کی وفات ہوی تو تین دن بعد ویلور پر حیدر علی کا حملہ ہوا اور قلعہ پر بڑی گولیاں چلائی گئیں۔ اسوقت لوگوں نے خیال کیا کہ قطبِ زماں سے مراد حضرت ذوقی ہی کی ذات تھی۔ چنانچہ مولانا عبدالحیؒ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوے فرماتے ہیں :-

ہے روایت کہ اپنے پیش وصال — دفعتہً ایک دن وہ صاحب حال
حاضروں سے کہا ہے اے لوگو — بات یک بولتا ہوں یاد رکھو
قطب اس ملک کا بحکمِ خدا — تیرھویں دن اٹھیگا از دنیا
تین دن اسکے بعد غیر قصور — چلے گولی بقلعۂ ویلور
جا نو ماہِ رجب کے روزِ ہلال — یہ دیا تھا خبر وہ ذوالاجلال
تیرھویں کو رجب کے وہ اکرم — کیا رحلت یقیں ازیں عالم
بعد ۳ دن بہادر آیا ہے — گولی قلعے اوپر چلایا ہے
سب سمجھے لوگوں نے تب بغیر گماں — کہ بلا شک وہی تھا قطبِ زماں

ابتدا میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حضرت ذوقی کے اوصاف گوناگوں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مختصر سے مضمون میں اسکی گنجائش نہیں ہے۔ اب فارسی کا بھی زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ نئی پود کی طبیعتیں محض اردو زبان کی طرف مائل ہیں۔ عربی تو کیا فارسی سے بھی بالکل بیگانہ ہو گئے ہیں۔ ایسی حالت میں حضرت ذوقی کی فارسی شاعری پر تفصیلی گفتگو بہت مشکل ہے، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر آئندہ اس کا کوئی اور مناسب موقع آئے تو ان کی شاعری سے متعلق کچھ تفصیلی گفتگو کی جا سکتی ہے۔

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس بنگلور ۲

16